رب کریم کے نام سے شروع جو عطاء کرتے ہیں اور اسے کامل کر دیتے ہیں۔

''مہر میراں''

ڈیڑھ سو سال پہلے.....

سفید دوپٹے سے اپنے چہرے کو چھپاتی مہر' مشہور گائیک میاں غلام علی غلام کی حویلی کے چوبارے سے سیڑھیاں پھلانگتی' پھاٹک سے باہر نکلتی' تیزی سے چھوٹی بڑی گلیاں عبور کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ چلتی قمر النساء بے چاری کا سانس پھول رہا تھا۔ لیکن مہر کے پیروں میں جیسے پر لگے ہوئے تھے۔ وہ تو اُڑتی پھر رہی تھی۔

وہ ہرنی.....وہ سریلی.....وہ مہر النساء.....

''خدا کے لیے رک جاؤ۔ ہوا کا گھوڑا نہ بنو۔ میرا سانس پھول رہا ہے۔'' آگے بڑھ کر قمر النساء نے اس کی کلائی پکڑ لی اور روک کر کہا۔ وہ دونوں اب بازار میں آ چکی تھیں۔

''لو ہم تو بازار آ گئے.....'' مہر نے بڑا اترا کر کہا۔ ''چلو آؤ کچھ خرید لیں.....''

''اگر دیر ہو گئی تو.....؟؟''

''تو خالہ کی جوتیاں تم کھانا.....کیا لو گی؟؟''

''تمہاری آواز سن کر میاں غلام نے کیا کہا؟'' قمر النساء بے چاری ڈر کے مارے نیچے دالان میں ہی بیٹھی رہی تھی۔ مہر اکیلی ہی اوپر گئی تھی جہاں کھلے آسمان کے نیچے غلام علی غلام ریاض کر رہے تھے۔ ستار اور غلام علی کی آواز ایک ہو کر نیچے تک آ رہی تھی۔ قمر النساء کو ایسے ہر انسان سے بہت ڈر لگتا تھا جس کا مغل دربار میں آنا جانا ہوتا تھا۔ وہ تو اپنے نواب باپ اور نواب بھائیوں سے بھی بہت ڈرتی تھی۔

''انہوں نے تیوری نہیں چڑھائی مہر! پوچھا نہیں کہ کہاں منہ اٹھائے آ رہی ہو.....نکلو یہاں سے.....'' قمر کو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ وہ ڈری کیوں نہیں.....وہ ڈرتی کیوں نہیں.....

سفید انارکلی کا گھیر نیم دائرے میں لہرایا اور مہر نے پلٹ کر اپنی کم عقل خالہ زاد کو دیکھا۔ اس کا ابھی تک خوف کے مارے دم نکلا ہوا تھا۔ مہر کو ہنسی آ گئی اور وہ کھلکھلا دی۔ غلام علی کے ستار کے تار اس کی ہنسی کا ساز بن گئے۔ بڑی مدھر آوازیں آئیں۔ شانوں پر پالکی کا بوجھ اٹھا کر چلتے پالکی بانوں نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ آگے والے کا پاؤں ذرا ڈگمگا گیا۔

''''سب مرد تمہیں دیکھ رہے ہیں مہر! اتنی بے شرم نہ بنو۔ دیکھو کیسے بیچ بازار ہنس رہی ہو۔'' قمر النساء نے اس کا ہاتھ کھینچ کر ذرا دور لے جانا چاہا لیکن اس نے لاڈ سے اپنا ہاتھ جھٹک کر الگ کیا اور وہیں کھڑی رہی۔

''سچا استاد' اچھا انسان بھی ہوتا ہے۔ انہوں نے تیوری نہیں چڑھائی' بلکہ بہت خوش ہوئے۔ مجھے کھانے کے لیے شیرنی بھی دی۔ استاد کھانے کے لیے میٹھی چیز دے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ہم نے ان کا دل جیت لیا ہے۔ میں انہیں اپنی آواز سنانے نہیں گئی تھی' نہ ہی ان

Sumaira Hameed:Author

سے سروں کا بھید لینے گئی تھی۔ میں تو بس یہ پوچھنے گئی تھی کہ خوف سے آواز بیٹھ جاتی ہے یا سر..... انہوں نے کہا ''آواز''۔ اگر کسی کے گلے میں سچے سر ہوں تو وہ کسی سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔ جو ڈرو گی تو گاؤ گی نہیں۔ سہم اور سُر ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ یا سہم کو رہنے دو یا سروں کو۔ ڈر کو دبا کر آواز تو نکل سکتی ہے لیکن سر نہیں۔ ڈر کو پھلانگ لیا تو آواز ختم ہو جائے گی اور ''سر'' باقی رہی جائیں گے۔'' اس نے قریب سے گزرتے گنے والے سے گنا لیا اور دانت سے کتر کر قمر کی طرف بڑھا دیا۔

''ویسے ہی تم کیا کم دلیر تھی جواب میاں غلام علی نے تمہیں یہ سبق بھی پڑھا دیا ہے۔''

مہر اب چاندی کی پازیبیں دیکھنی لگی تھی۔ ایک اس نے اپنے لیے لے کر ایک مہر کی طرف بڑھا دی۔ ''یہ لو..... کیا یاد کرو گی۔ مہر النساء نام ہوتا ہے میرا.....''

''جو ڈومنیوں کی طرح گاتی ہے..... اور بنجارنوں کی طرح تانیں لگاتی ہے.....'' قمر کو گنا بڑا پسند آیا تھا۔

''ناں ناں۔ اُستاد جی نے کہا ہے کہ گانے والے گویے ہوں یا سات سروں والے سریلے' سب کی عزت واجب ہے۔ میری عزت کرو.....'' گردن اکڑ کر' انگلی لہرا کر جب اس نے ''ناں' ناں'' کیا تھا تو کلچے جھٹکتے نانبائی کے ہاتھ تھم سے گئے۔

''عزت تو تمہاری بہت ہو گی جب میرے نواب باپ کو تمہارے سریلے گلے کے بارے میں معلوم ہو گا۔'' قمر نے نانبائی لڑکے کی مسکراہٹ دیکھ لی تھی۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ مہر کا ہاتھ کھینچ کر تیز تیز قدم اٹھاتی بازار سے باہر جانے لگی۔

''نواب ہوں یا شہنشاہ' میں اپنے دل میں کوئی خوف نہیں بیٹھنے دوں گی۔'' مہر اپنی ہی دھن میں بول رہی تھی۔ اب وہ بتاشے کھا رہی تھی۔

''سارا عالم تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' قمر کو بس اسی عالم کی فکر تھی۔

''تو تم انہیں نہ دیکھو.....'' ایک ہاتھ میں بتاشے پکڑے' دوسرے ہاتھ سے اب وہ لڈو خرید رہی تھی۔

''تم کیا کیا کھاؤ گی مہر! بس کرو..... جلدی کرو..... سب ہماری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔''

''ویسے دنیا بڑی خوب صورت جگہ ہے۔ دیکھو ذرا اس بازار کو۔ کیسی خوب صورت آوازیں آ رہی ہیں یہاں سے۔'' ایک پیر پر گھوم کر مہر نے کہا۔ قمر نے اسے شاکی نظروں سے دیکھا۔

''میری والدہ اور تمہاری خالہ۔ وہ ہمارا انتظار کر کے خوف صورت ہو چکی ہوں گی۔ سانس بھی مشکل سے لے رہی ہوں گی۔''

مہر نے آنکھوں کو مٹکایا۔ ''تمہارا جی بھی محل واپس جانے کو نہیں چاہ رہا نا..... سچ بول دو.....''

قمر نے چہرے پر سنجیدگی طاری کرنے کی کوشش کی لیکن پھر نچلا ہونٹ لٹکا کر' دائیں آنکھ کو شرارت سے دبا کر وہ ہنس دی۔ ''نہیں..... جی چاہتا ہے' تمہارا ہاتھ پکڑوں' ایک پیر سے چلوں' ایک سے اچھلوں اور شہر کا ایک چکر لگا ڈالوں.....''

''تو چلو آج ساری بے ایمانیاں کر لیتے ہیں۔ بازار کا ایک چکر لگا لیتے ہیں۔ وہ دیکھو وہاں..... گورے جو کاڑھا پیتے ہیں وہ وہاں ملتا ہے..... چل کر وہ پیتے ہیں.....''

Sumaira Hameed:Author

مہر نے سہم کر اس کے ہاتھ کے اشارے کی طرف دیکھا۔وہاں سے ایک گورا نکل رہا تھا' اور چند سپاہی۔''وہاں تو صرف مرد جاتے ہوں گے مہر! میں شرارت کر رہی تھی۔آؤ چلو واپس چلیں۔یہ نا ہو میرا نواب بھائی اپنی فوج لے کر ہمیں ڈھونڈنے کے لیے آجائے.....''

''تمہارے سب نواب بھائی ریاست سے باہر ہیں۔ڈرو نہیں.....چلو میرے ساتھ.....''مہر نے اس کا ہاتھ گھسیٹا۔

جس وقت وہ گوروں کا کاڑھا لینے کے لیے چائے گھر میں داخل ہوئیں سب کی گردنیں حیرت سے ان کی طرف اٹھ گئیں۔یہ اس چائے گھر کا پہلا واقعہ تھا کہ دو لڑکیاں وہاں چائے پینے آئی تھیں۔یہ اس ریاست کا بھی پہلا واقعہ تھا۔

''ہمیں وہ چاہییں جو گورے پیتے ہیں.....''مہر کی آواز کانپ کر رہ گئی تھی۔ایک گورا جو کھڑکی کے پاس کونے میں بیٹھا تھا' اس نے ذرا سی گردن موڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھا اور زیر لب ہنس دیا۔اس دنیا کی کوئی چیز اتنی عجیب نہیں تھی' جتنی ہندوستان کی عورتیں۔

''گورے تو بہت کچھ پیتے ہیں.....'' چائے گھر کے مالک نے سوچا کہ موقعے کا فائدہ اٹھا کر تھوڑی شرارت اسے بھی کر لینی چاہیے۔

قمر کو پسینہ آ گیا لیکن مہر نے گھور کر اسے دیکھا تو وہ سیدھا ہو گیا۔

''چ.....چائے.....چائے پیتے ہیں وہ.....'' گھگھیا کر کہہ کر اس نے ان کے لیے چائے کا انتظام کرنا شروع کر دیا۔

مہر نے ہونٹ کو لاڈ سے کاٹتے ہوئے قمر النساء کو گھورا۔''خوشیوں کی مدت مختصر کیوں ہوتی ہے؟''گوروں کا کاڑھا (چائے) وہ ایک گھونٹ پی چکی تھی اور اس کا خیال تھا کہ اگر اس نے دوسرا گھونٹ بھی پی لیا تو وہ یہیں' فوراً سے مر جائے گی۔

''خوشیوں کی نہیں آزادی کی مدت مختصر ہوتی ہے.....چلو اب.....''چائے سے جلے اپنے حلق کو ہتھیلی سے رگڑتے ہوئے قمر اٹھی اور اس کا ہاتھ کھینچ کر چائے گھر سے باہر لے آئی۔

☆ ☆ ☆

ہر فن آزادی مانگتا ہے.....ہر فن کار آزاد کلامی.....

قمر النساء کی والدہ اور اس کی خالہ بے چاری کو ایک پل چین نہیں آیا تھا۔اس کی روز روز کی منت درخواستوں سے تنگ آ کر انہوں نے اسے چپکے سے جانے دیا تھا لیکن اب وہ پچھتا رہی تھیں۔

''تم نے اتنی دیر کر دی مہر! اگر کسی کو معلوم ہو جاتا تو.....؟''جیسے ہی وہ آئی انہوں نے سختی سے پوچھا۔

مہر نے آس پاس دیکھا۔وہ بھنے چنے کھا رہی تھی۔''کسے معلوم ہو جاتا خالہ! نواب محل کے اس زنانہ حصے کو؟ یہ سب جانتی ہیں کہ میں کہاں گئی تھی۔یا پھر نواب محل کے مردان خانے کو؟ جہاں تک یہ بات پہنچ بھی جاتی تو آپ کوئی زیور دے کر ملازموں کو منہ بند کروا دیتیں۔اتنا ڈرتی کیوں ہیں آپ.....؟؟''اس نے چنے خالہ کی طرف بڑھائے۔

''تم کیوں نہیں ڈرتی.....؟؟ کس چیز نے تمہیں اتنا جرات مند بنا دیا ہے.....؟؟''خالہ نے اس کا ہاتھ پرے جھٹکا۔

Sumaira Hameed:Author

اس نے.....''اس نے حلق پر ہاتھ رکھا۔''استاد جی نے کہا ہے کہ اگر یہاں خوف ہو گا تو سر نہیں ہو گا۔سُر رکھوں یا سر.....؟؟بتائیں خالہ؟''

''پہلی بار ملاقات میں ہی یہ سبق پڑھا دیا انہوں نے۔دوبارہ سوچنا بھی مت کہ وہاں جانے دوں گی.....''

''انہوں نے کہا مجھے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔یہ بھی کہا کہ کچھ لوگ پیدائشی سریلے ہوتے ہیں۔ان کے سر پکے ہوتے ہیں۔شدھ.....سا اور پا کی طرح..... میں بھی شدھ (خالص) ہوں.....''

'زہر کا جو پیالہ پینے کے لیے ملے گا اس کا اثر بھی ''شدھ'' ہو گا۔''قمر النساء نے بلند بانگ کہا۔نواب کی بیویاں اور بیٹیاں اور کچھ ملازمائیں جو جھرکوں میں ادھر ادھر بیٹھیں' کھڑی' ٹہل رہی تھیں ہنسنے لگیں۔دور سامنے دریا بہہ رہا تھا.....ادھر ان کے نقری قہقہے۔

''زہر اور وہ بھی شدھ.....سا اور پا کی طرح.....''نواب کی دوسری بیوی نے خالہ کے شانے پر اپنی ٹھوڑی ٹکا کر مذاقاً کہا۔

''کیا سیکھ کر آئی ہو.....سنا دو ہمیں بھی کچھ.....''نواب کی پہلی بیوی نواب بیگم تخت پر بیٹھی سونے کے پانی میں سونے کے زیور دھو رہی تھیں۔

''ابھی.....اس وقت.....؟''مہر نے ایڑی کے بل گھوم کر نواب بیگم کی طرف دیکھا۔

نواب بیگم نے بہت محبت سے مہر کو دیکھا۔''تمہیں باہر کی ہوا لگ گئی ہے اور تم بڑی پیاری لگ رہی ہو۔کسی چڑیا کی طرح بھدک رہی ہو۔کوئل کی طرح چہک رہی ہو۔نظر نہ لگے.....''

''باہر کی ہوا اور بازار کا نمک۔اس نے ساری بچوں والی چیزیں خرید خرید کر کھائی ہیں۔''

''بچی ہے تو بچوں والی چیزیں ہی کھائے گی۔کچھ تم بھی کھا لیتی یا تم صرف مرچیں ہی چبا کر آ گئی ہو.....''نواب بیگم نے ہنس کر کہا۔

مہر منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگی۔قمر نے گھور کر اسے دیکھا۔''ہم نے گوروں کا جو شاندہ بھی پیا.....بڑا بدمزہ تھا.....''قمر نے راز کو راز نہ رکھا اور سب اگل ہی دیا۔

سب کی سب حیرت سے دونوں کو دیکھنے لگیں۔''تم وہاں بھی گئی تھیں.....کوئی گورا دکھا.....؟؟''

''ہاں ایک دکھا لیکن پشت سے.....ہم آ رہے تھے وہ جا رہا تھا.....''قمر نے جل کر کہا۔

''وہ سننے' سنانے والی بات تو رہ ہی گئی۔اتنے بڑے گائیک سے مل کر آئی ہو۔اب کچھ سنا بھی دو.....''قمر کی چھوٹی بہن نے کہا۔

''راگ کلیان سنا دوں.....پر یہ رات کا راگ ہے.....''وہ نواب بیگم کے ساتھ تخت پر بیٹھ گئی اور سونے کے پانی سے دھل چکا ہار اٹھا کر اپنے گلے کے ساتھ لگا لیا۔

''اچھا چلو رات کو ہی سہی.....''نواب بیگم نے جھومر اس کی پیشانی پر ٹکا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

رات.....ہر رات کی طرح.....ورنہ چاندنی رات کی طرح.....

کچھ لوگ پیدائشی سریلے ہوتے ہیں اور کچھ سر ان پیدائشیوں کے لیے بڑے کٹیلے ہوتے ہیں۔زہر کے پیالے میں رکھے ہوئے

Sumaira Hameed:Author

ملتے ہیں۔موت کی طاق پر تان سے تان ملاتے ہوئے.....ایسے ہی سر اس کے گلے میں تھے.....شدھ لیکن کٹیلے.....

☆ ☆ ☆

رات کلیان راگ تھی.....جس نے ہر ساعت پر اپنی چوکڑی جما دی تھی.....

دن راگ ساز گری تھا.....امیر خسرو کے راگ کا ہم جولی.....

اسے صبح سے اس لیے بھی بہت پیار تھا کہ وہ نیم گرم پانی سے گلے کو تر کر کے،مور محل کے سب سے بلند جھروکے میں بیٹھ کر دور بہتے ہوئے دریا کو دیکھ کر گانے لگتی تھی۔اسے دریا کی روانی بہت پسند تھی۔اُڑتی ہوئی چڑیاں،اور دریا کی موجوں کی گنگناہٹ۔اس کے کالے سیاہ بالوں کی لٹیں صبح کی تازہ ہوا کے ساتھ ساتھ لہراتیں اور اس کی سریلی سانسیں سروں کی ہم جولی ہو جاتیں.....

اس کی آواز کی کوک،سنگ مرر کے احاطوں کو پار کرتی ،دالانوں سے ہوتی ،چکوں اور پردوں سے ڈھکے کمروں میں بستروں پر دراز نواب زادیوں کے کانوں تک جاتیں اور وہ خواب ناک کروٹیں بدلنے لگتیں۔روشنی سے پہلے اس کے سر جاگ اٹھتے تھے۔اس کے سر ان کے خواب جگا دیتے تھے۔

وہ نواب محل کے اس مور محل کی کوئل تھی۔پرکھارت.....دل کی ترنگ.....من کی امنگ.....

جتنا بڑا یہ مور محل،نواب محل اور دریا کا پاٹ تھا اس سے کہیں بڑے اس کے سر تھے۔

وہ پہلے سا سے ساتویں ''سا'' تک شدھ تھی۔وہ نواب کی تیسری بیوی عصمت کی رشتے کی بھانجی تھی۔یتیم اور مسکین۔اس کے والد مغلوں کی فوج میں تھے۔ایک چھوٹی سی جھڑپ میں مارے گئے تھے اور ماں کو باپ کے غم نے مار دیا تھا۔خالہ اسے اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔خالہ کی تین بیٹیوں کے ساتھ پل کر وہ بڑی ہوئی تھی۔پڑھی لکھی تھی۔مدرسے جا چکی تھی۔بہت فرمبردار اور عقل مند بچی رہی تھی۔مور محل میں سب اسے بہت پسند کرتے تھے۔اس کے بات کرنے کا انداز اور آواز کا اتار چڑھاؤ سننے والوں کو اس کی محبت میں مبتلا کر دیتا تھا۔

وہ بدتمیزی،تکرار،لڑائی جھگڑا بھی کچھ اتنے سریلے انداز میں کرتی تھی کہ اسے داد دینے کو دل چاہتا تھا۔گلے سے اتار کر موتی مالا،انگلی سے اتار کر کوئی انگوٹھی۔شروع سے ہی وہ سونے چاندی میں تلنے لائق رہی تھی۔سب کا ماننا تھا کہ چونکہ وہ اس محل میں پیدا نہیں ہوئی،اس کی رگوں میں نوابی خون نہیں ہے،اس لیے وہ سب الگ ہے۔کچھ نڈر،اور کچھ حوصلہ مند ہے۔

ایک دن نواب بیگم کے سر میں درد سے ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔وہ بے چاری رات سے ہی رو رہی تھیں۔اگلے دن ان کی والدہ کی برسی تھی اور سسکیاں بھر بھر کر انہوں نے خود کو بے حال کر لیا تھا۔وہ ان کے سرہانے بیٹھ کر خالہ والی لوری سنانے لگی۔ایک ہاتھ سے ان کے سر کو تھپکنے لگی۔ماں کی یاد کی تڑپ پر ٹھنڈی پھوار پڑ گئی تھی یا غم کو سہارا مل گیا تھا۔کچھ بھی ہوا تھا،وہ اس کی لوری سے بچوں کی طرح سو گئیں۔تب ہی سے وہ نواب بیگم کو بہت پیاری ہو گئی تھی۔اب جب جب وہ آہیں بھرتیں،سسکیاں لیتی،اس کی لوری سنتیں۔خالہ ماں کی جان البتہ حلق میں آ گئی تھی۔

''تم نے لوری کیوں گائی مہر! آئندہ چپ رہنا۔کوئی شکایت ہو گئی تو شامت آ جائے گی۔میرا شوہر اس ریاست کا نواب ضرور ہے

Sumaira Hameed:Author

لیکن میں ''نواب بیگم نہیں ہوں۔اس محل میں میری حیثیت ''نواب بیگم'' کی حیثیت سے بہت کمتر ہے۔شکر کرو کہ تمہیں یہاں رہنے کی اجازت ملی ہوئی ہے۔دیکھو یہاں کوئلوں کو کوک کی اجازت ہے'نہ لڑکیوں کو چہکار کی۔بس چپ رہا کرو.....''

وہ چپ ہوگئی۔اتنی چپ ہوگئی کہ یقین ہونے لگا تھا کہ وہ گونگی ہو چکی ہے۔حکیم جی نے آکر دیکھا۔اس کے گلے میں زخم ہوا تھا۔انہوں نے دوا دی۔زخم اور گردن دونوں پھول گئے۔جو دیکھتا ڈر جاتا۔نواب بیگم نے اسے اپنے پاس بلا کر بٹھایا۔کھانے کے لیے مٹھائی دیں۔وہ اس کا چہکنا'بھدکنا سب بہت پسند کرتی تھیں۔بار بار کہتی تھیں ''آکاش کی کوئل'' اس محل کے پنجرے میں آکر بند ہوگئی ہے۔''

آکاش کی کوئل اپنی آواز گم کر بیٹھی تھی۔بہت حکیمی نسخے آزمانے'جوشاندے بنا بنا کر دیئے لیکن اس کے حلق کا زخم بڑھتا ہی گیا۔رات گئے ایک دن وہ بستر میں منہ دے کر رو رہی تھی۔قمر النساء نے سنا کہ سسک رہی ہے۔منہ پر سے چادر اٹھا کر دیکھا'ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔''آؤ میرے ساتھ۔''

اسے لے کر وہ دھوبی گھر آگئی۔یہاں دن میں ملازم کپڑے دھویا کرتے تھے۔

''یہاں گاؤ۔دُور دُور تک کوئی نہیں ہے'تمہیں کوئی نہیں سن سکے گا۔سنے گا نہیں تو خفا بھی نہیں ہوگا۔خفا نہیں ہوگا تو شکایت بھی نہیں کرئے گا۔گالو مہر النساء!تمہارے حلق کا زخم دیکھا نہیں جاتا۔''

مہر النساء کو ہنسی آگئی۔اس نے گانے کی کوشش کی تو آواز بڑی مضحکہ خیز سے نکلی۔حلق میں درد کی ٹیسیں بھی اٹھیں۔

''قمر النساء نے اس کی کمر پر ایک دھمو کا دیا۔''اب گاؤ نا۔رو رو کر مری جا رہی تھی۔وہی گا دو جو سب دھوبی اور ساری دھوبنیں گاتی ہیں۔''رات کے اس پہر بھی قمر آنکھیں مٹکانا نہیں بھولی تھی۔

دھوبی گھر میں کپڑے دھوتے ہوئے وہ سب کچھ گیت گاتے تھے۔اس جیسی ساری بچیوں کو وہ گیت آتا تھا۔جب دھوبی کپڑوں کو جھٹک جھٹک کر پتھر پر مارتے جاتے اور گاتے جاتے تو دیوار کی کھڑکیوں اور دروازوں کی اوٹ میں لگیں وہ سب بھی گاتی جاتی تھیں۔یہ سب ان کے بچپن کا ایک کھیل تھا۔

وہ پتھر کے ایک حوض کے کنارے بیٹھ گئی۔لمبی سی سانس لے کر'آنکھ بند کر کے دھوبی گھر کے گیت کو پوری طرح سے یاد کیا اور پھر دھیمی آواز میں گانا شروع کیا۔

سر اگر اتنے ہی برے ہوتے تو کوئل سریلی نہ ہوتی.....

دور اندر'محل کے کمروں میں سوتیں نواب زادیاں'خالہ ماں'نواب بیگم اور بیس بائیس ملازمائیں شاید جانتی تھیں کہ وہ دونوں یہاں ہیں۔شاید کبھی وہ بھی یہاں آنا چاہتی تھیں۔پانی کے حوض میں پاؤں ڈبو کر بیٹھنے'چودھویں کے چاند کو حوض کے پانی میں جھلمل دیکھنے'اور تھورا بہت گنگنانے کے لیے۔پھر وہ جوان ہوگئیں۔ان کی شادیاں ہوگئیں۔کوئی نواب بیگم بن گئی'کوئی بوا'کوئی خالہ'کوئی چچی' اور کوئی ماں بن .....اتنا کچھ بننے کے بعد وہ حوض تک کیسے آسکتی تھیں۔ان کے اندر کی عورت نواب محل کے کے مردانے کی دہلیز پر دفن ہو چکی تھی۔مور محل ان

Sumaira Hameed:Author

کا پنجرہ بن چکا تھا۔انہیں دریاوں کو محل کی چھتوں اور جھروکوں سے دیکھنا تھا۔آسمان کو احاطوں سے۔زمین کو سنگ مرمر سے.....اور خود کو روایتوں کے آئینوں میں.....

''روز یہاں آجایا کریں گے۔ورنہ تہہ خانہ بھی تو ہے.....''قمر النساء نے حوض کے پانی میں پیر سے بھنور بنانے کی کوشش کی۔

وہ تہہ خانے میں جانے لگی۔ایک ایک کر کے مورمحل کی ساری بچیاں اس کے ساتھ آ کر مل گئیں۔اگر یہ کھیل تھا تو وہ سب اس کھیل سے بہت خوش تھیں۔اگر یہ فن کی قدردانی تھی تو وہ سب قدران بن گئیں۔مہر کو سروں کی ملکہ بنا کر وہ بہت خوشی سے اس کی رعایا بن گئیں۔

دس پندرہ دن بعد' سب رات کو اٹھتیں' اور تہہ خانے میں باقاعدہ محفل لگا لیتیں۔کبھی کبھار وہ اپنی ماؤں کے رنگین دوپٹے' زیور' اور غازے بھی چرا کر خود کو سجا لیتیں۔مہر النساء پرانے قالین پر درمیان میں بیٹھ جاتی تھی۔باقی سب خیالی گاؤ تکیے سے کمر جوڑ لیتی تھیں۔اپنے باپ اور بھائیوں کی نقل اتارتی تھیں۔نین تارا نے تو حقے کی نے تک منہ میں دے لی تھی۔رات دوگانا رات ہوگئی۔

اس محفل کو چلتے ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اوپر والوں کو معلوم ہوگیا۔کچھ دن ان کا کھانا پینا بند کیا گیا لیکن پھر مہر النساء کو آزاد چھوڑ دیا گیا۔نواب بیگم مہر النساء پر کیا سختی کرتیں۔معصوم صورت اور میٹھی آواز۔وہ گاتی ہے تو گائے بس بات مورمحل سے باہر نہ جائے۔ویسے بھی محل کی ہر عورت کو نواب محل کے ایک ایک مرد سے بڑے شکوے تھے۔انہیں پنجروں میں بند کر کے' وہ خود آزادی پنچھی کی طرح گھومتے پھرتے تھے۔انہیں ریشم اور کمخواب کے ڈھیر میں دبا کر خود وہ اس زمین اور پورے آسمان پر راج کرتے تھے۔

''اسے یہ اجازت نہ دیں۔کسی کو معلوم ہوگیا تو اچھا نہیں ہوگا۔''خالہ ماں کے دل کو ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا۔

''اس جگہ اچھا ہوتا کیا رہا ہے عصمت! تین مہینے ہو گئے' نواب کی شکل دیکھی ہے نہ بیٹوں کی۔نواب سراج اپنی بیوی کو بھول گئے ہیں' مان لیا اور بیٹے ماں کو' یہ ماننے کو دل نہیں مانتا۔سب یاد رکھنے کو ہم ہیں۔قاعدے بھی اور قانون بھی۔ہم سورج کی پہلی کرن کے ساتھ اٹھیں' اور سورج ڈوبتے ہی سو جائیں۔اور وہ سورج ڈوبتے ہی جو چاہیں کریں۔محفلیں لگائیں' شکار کے لیے جائیں' میلے دیکھیں' اور ہم کھڑکیوں اور چوباروں کی اوٹ میں کھڑے ہو کر آہیں بھر بھر کر ان کا انتظار کریں۔دل کی چاندی کو کھوٹا کر لیا ہے۔خوابوں کے کندن کو زنگ آلود.....اب اور بتاؤ کیا کیا کریں.....''

''صدیوں سے یہی سب چلتا آیا ہے آپا!''

''ہاں تو چلے۔مجھے مہر لنساء کی آواز پسند ہے۔وہ گاتی ہے تو میرے دل کو سکون ملتا ہے۔رو بھی دیتی ہوں۔ہمیں یہ بھی میسر نہیں کہ کوئی گائے اور ہم رو دیں.....جواب دو.....راگ اور راگنیاں' ملہار اور بہاگ.....کوئی گائے اور ہمیں بھی سنائے.....''

''کیا کریں گی وہ کر کے جو نواب کرتے ہیں۔''خالہ ماں نے گہرا سانس لیا۔

''جہنم میں جائیں سب نواب۔یہ ریاست' یہ انتظام۔میرا دل تو دہائیاں دیتا ہے۔اتنی بھی اجازت نہیں کہ بنجاروں کو بلا کر سن لوں۔بنجارنوں سے ہاتھوں پر مہندی لگوا لوں۔ان جیسی جھمکا بالی ہی کان میں ڈال لوں۔انگریزوں کی دعوتوں میں یہ تو میموں کی کمروں میں ہاتھ ڈال ڈال کر ناچتے ہیں۔ہمیں مور ناچ دیکھنے سے بھی پرہیز ہے۔واہ.....''

Sumaira Hameed:Author

سب کھی کھی کرنے لگیں۔''سنا ہے وہاں کوئی نہ ناچے تو اس کی سبکی ہوتی ہے۔''

''اچھا ہے.....اور ہو سبکی۔ ہمارے سامنے تو مونچھوں کو بل دیتے ہوئے ہاتھ نہیں تھکتے۔ وہاں ایڑیوں کے بل ٹھمکتے ہوں گے.....تا تھیاں.....تھیاں.....تھاں.....''نواب بیگم نے دونوں ہاتھوں کی تھاپ بجا کر نقل اتارے ہوئے کہا۔

سب کے بلند بانگ قہقہوں سے مورمحل کی دیواریں گونج اٹھیں۔

''ان نوابوں کے تو بس کیا کہنے۔ جونا گڑھ کے نواب مہابت خان رسول کو اپنے کتوں سے اتنی محبت ہے کہ انہیں الگ کمرے دیئے ہیں۔ ملازموں کی فوج دیکھ بھال کے لیے موجود ہے۔ نواب کا چہیتا کتا ''روشنارا'' کی تو باقاعدہ نواب نے شادی کی تقریب بھی کی ہے۔ شادی کی دعوت میں کئی لوگوں کو بلایا۔ کسان کھیتوں' کھلیانوں میں خون پسینہ ایک کر رہے ہیں اور یہ کتوں کی شادیاں کروا کر دعوتیں اڑا رہے ہیں.....رعایا بھوکی مرے ان کی بلا سے.....''

''مانا کتا وفادار ہے' لیکن انسان ایسا بھی بے وفا نہیں کہ اس پر جانور کو فوقیت دی جائے۔''

نواب بیگم نے گہرا سانس لیا۔''یہ بات تم کسی نواب کے سامنے کہہ کر تو دیکھو۔ اندھیری کوٹھریاں بنوا کر رکھی ہیں۔ ایسے کٹیلے سچ بولنے والوں کو اٹھا کر ان کوٹھڑیوں میں پھنکوا دیتے ہیں۔ بہت اچھا ہوا جو گورا یہاں حکمران بن کر آ گیا۔ اب وہ ہش ہش بھی کرتا ہے تو یہ واہ واہ کرتے ہیں۔''

سب ایک بار پھر سے ہنسیں۔ نواب بیگم کا حس مزاح بھی کمال کا تھا۔

''ہم اس چار دیواری میں گائیں یا ماتم کریں۔ یہ ہماری آپس کی بات ہے.....بس.....نہ کسی کا دل لبھانا ہے نہ داد لینی ہے۔ جو ہے وہ ہمارے لیے ہے۔ سن لو سب.....کیا نواب کی محفلیں ہوتی ہوں گی جواب مورمحل میں ہوں گی۔ دیکھتی ہوں میں کہ نواب اور اس کے چہیتے ملازم میرا کیا بگاڑ لیتے ہیں۔''

''مہر تم نے نواب ماں کو بھڑکا دیا ہے۔''قمر نے مہر کو کہنی سے ٹھونکا۔

''ٹھنڈے پانی کی پھوار ہے میرے پاس۔ سنیں گی تو ٹھیک ہو جائیں گی۔ اور تم مجھے نہ بھڑکاو۔ سمجھیں۔''اس نے آنکھیں نکال کر کہا۔

☆ ☆ ☆

ریشم کے رنگین آنچلوں' گوٹا کناری لگے غراروں' اور چاندنی کی پازیبوں' سے سجی بنی نواب زادیوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی کہ ان کی محفل نواب کی محفل سے کسی طرح کم ہو جائے۔ چاندنی رات میں' دریا کے رخ پر وہ قالینوں پر بیٹھ گئی کہ رات بیت گئی اور انہیں خبر بھی نہیں ہوئی۔

کبھی دن چڑھے کبھی دن ڈھلے۔ کبھی پہلے پہر' کبھی آخری پہر۔ مورمحل میں مہر النساء بہت ضروری ہو گئی تھی۔ نواب بیگم کو یہ غرور تھا کہ کیا نواب سراج کی محفلیں ہوتی ہوں گی جو ان کے یہاں ہوتی ہیں۔ دنیا جہاں کے گائیکوں کو ہاتھی گھوڑے بھیج کر بلوانے والا نواب' اصل

Sumaira Hameed:Author

گائیک کی گرد سے بھی دُور ہیں۔نواب کے نصیب میں تھا ہی کیا۔کچھ وہ جو سالوں سے ریاض کر رہے تھے'اور کچھ وہ بے سرے جو تان سین کی قبر کے کنارے لگی املی کو چبا چبا کر کھا گئے تھے اور سریلے بن کر گائیک بن بیٹھے تھے۔نواب کو وہی مبارک ہوں۔ سچی'سریلی'شدھ آواز انہیں کبھی نصیب ہونے والی نہیں تھیں۔

جیسے عورتیں اپنا زیور سنبھال کر رکھتی ہیں'ایسے ہی انہوں نے مہر کی آواز کو سنبھال کر رکھ لیا تھا۔اس کی آواز ہر دل'اور ہر دھڑکن کے کو بھا گئی تھی۔وہ سب کے دلوں کو جا لگی تھی۔ساون کے جھولوں اور شام کی لالی کی طرح'وہ ضروری ہو گئی تھی۔دریا رخ بنے جھروکوں'اور بے وجہ کے قہقہوں کی طرح.....وہ عام ہو گئی تھی.....پریم راگ کی طرح'سب کی دل پسند اور من چڑھی۔

مور محل کی ایک ایک عورت'ملازمہ'بوا'ماسی'چچی'کو اس پر ناز تھا۔اس کی ہم عمر ساری لڑکیوں اور اس کی عمر سے بڑی ساری عورتوں کو۔وہ ان کے لیے ہنسنے اور رونے کا سامان تھی.....وہ ان کی برہا اور بہاگ بھی.....

بات نواب محل کے خاص ملازموں تک بھی پہنچ چکی تھی لیکن انہوں اسے ایسے کسی وقت کے لیے اٹھا رکھا تھا کہ کسی کی جان سولی تلے آ جائے تو وہ یہ راز اگل کر اپنی جان بخشی کرا لیں۔ایک بار نواب کے کان میں اُڑتی اڑتی خبر پہنچی تھی کہ مور محل میں کوئی گاتا ہے۔نواب نے مور محل کی ایک ایک ملازمہ کو بلا کر پوچھا تھا۔کچھ سختی سے کچھ نرمی سے۔کچھ لالچ دے کر'کچھ سزا سے ڈرا کر لیکن سب نے لاعملی کا اظہار کیا تھا۔اتنی ساری عورتیں ایسے مصمم ارادے کے ساتھ لاعلم نہیں ہو سکتی تھیں۔کوئی نہ کوئی ڈر جاتا'ورنہ لالچ میں تو ضرور آ جاتا۔نواب سراج کو بہت حیرت ہوئی۔

''کس چیز کی تلاش میں ہیں آپ؟ کب تک یہ پوچھ پڑتال ہوتی رہے گی۔''نواب بیگم نے اپنا غصہ دبا کر نواب پر ہلکا سا طنز کیا۔

''مور محل سے کوئی آواز باہر نکلی تو سب کی قبریں اندر بنیں گی۔''نواب کے ہاتھ اب تک کوئی سرا نہیں آیا تھا۔انہوں نے ہوا میں تیر چلایا۔

''آپ کو موسیقی سے نفرت ہے یا گانے والوں سے.....''نواب بیگم پر اب کوئی تیر اثر کرنے والا نہیں تھا۔

''گانے والوں سے نہیں.....گانے والی سے.....''

''ایک ہی کام ایک پر جائز اور دوسرے کے لیے ناجائز کیسے ہو سکتا ہے۔حرام اور حلال میں جنس کا فرق نہیں آتا۔خنزیر مادہ بھی حرام ہے اور نر بھی.....''گلابی بنارسی کرتے پر'کندن کا یہ ہار انہوں نے آج ہی پہنا تھا۔نواب بیگم سے زیادہ وہ ملکہ ہندوستان لگ رہی تھیں۔ان کی آواز میں ایسی کاٹ تھی جو تلوار کی میان سے نکلتے وقت ہوتی ہے۔

نواب نے لب بھینچ لیے۔بیگم کے تیور کو تیورا کر دیکھا۔''تو یہاں کوئی گانے والی ہے.....؟؟ آپ چھپا رہی ہیں.....''

''میں تو پوچھ رہی ہوں۔بلکہ جاننا چاہتی ہوں کہ اگر یہاں سے ایک گانے والی نکلی تو ہم سب اپنی جان سے جائیں گی۔آپ کے وہاں سے تو ہر چودھویں کے چاند گانے والے نکلتے ہیں.....وہاں کون جان سے جاتا ہے؟''

نواب نے اپنی چہیتی کے رویے کو غیر معمولی باغی پایا۔''عورتیں سوال پوچھتی ہوئیں اچھی نہیں لگتیں.....''

Sumaira Hameed:Author

''مرد سوال نظر انداز کرتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔ اگر میرے سوال کا جواب آپ کے پاس نہیں ہے تو مجھ سے کیوں جواب طلب کرتے ہیں؟ میں آپ کی بیوی ہوں یا باندی ہوں؟'''

نواب نے بیوی کے انداز کی بغاوت کو صاف صاف محسوس کر لیا تھا۔ ''میں سختی کا قائل نہیں لیکن یہ بات یاد رکھی جائے کہ میں زبان سے نہیں پھر سکتا۔ قانون نہیں توڑ سکتا۔ اس محل کے جو قانون میرے باپ دادا نے بنائیں ہیں' ان پر ہر حال میں عمل ہوگا۔ آپ انہیں توڑیں یا مسخ کیے بغیر چپ چاپ ان پر عمل کرتیں اور کرواتی رہیں۔ یہی ہم سب کے لیے اچھا ہوگا۔''

''کوئی قانون آپ کے لیے بھی تو بنا ہوگا؟ جس وقت آپ پیانو اور وائلن پر کسی لارڈ کی بیوی' یا جرنل' کرنل کی گوری میم کا ہاتھ پکڑ کر رقص کرتے ہوں گے' اس وقت کے لیے کوئی قانون تو بنا ہوگا۔ اگر نہیں بنا تو بنا لینے میں کیا حرج ہے۔؟؟'' وہ چھالیہ نہیں کھاتی تھیں لیکن اشارے سے انہوں نے اپنے لیے چھالیہ منگوائیں اور انہیں ایسے چبانے لگیں' جیسے لفظ چبا رہی تھیں۔

''عورت کاف سے کٹاری' ورنہ بے سے باندی ہوتی ہے بیگم! میں ان دو قسموں کے علاوہ کوئی تیسری قسم نہیں جانتا۔'' نواب نے پورے جلال سے کہا کر جتایا۔

''مجھے باندی کہہ رہے ہیں.....'' وہ سمجھ گئیں کہ انہیں کٹاری تو سمجھا نہیں گیا۔ ان کا دل اتنا دکھا کہ آواز رندھ گئی۔

نواب نے جواب دینا مناسب نہیں سمجھا اور چلے گئے۔ اور کیوں دیتے۔ انسان نواب ہو تو ویسے ہی اس کا تجربہ اور خیالات حرف آخر ہوتے ہیں۔ ریاست ہو' رعایا ہو' محل ہوں' گھوڑے بگھیاں ہوں' تو انسان ویسے ہی صرف انسان نہیں رہتا۔ دیوتا بن جاتا ہے۔ وہ قربانی وصول کرتا ہے' ورنہ قربان کر دیتا ہے..... تیسری کسی قسم کو وہ جانتا نہیں.....

مہر نے نواب کے یہ الفاظ اپنے کانوں سے سنے تھے۔ وہ کبھی اس سختی کی وجہ نہیں سمجھ سکی تھی۔ نواب خود گائیکوں کے فن کے مداح تھے۔ کتنے ہی گائیک تھے جن کے باقاعدہ وظیفے مقرر تھے۔ چند ایک کو تو جاگیریں تک دے دی گئی تھیں۔ نواب کو البتہ طوائفوں سے چڑ تھی۔ کہتے تھے عورت گائے تو سمجھو سروں میں کھانڈ پڑ گئی۔

وہ سات سروں کو سات دیویاں نہیں سات مہاراج مانتے تھے۔ انہیں راگ پسند تھے' راگنیاں نہیں۔ جہاں سر کومل ہو جاتے وہاں ان کی تیوری پر بل پڑنے لگتے تھے۔ ان کے لیے صرف ''سا'' اور ''پا'' ہی شدھ نہیں تھے بلکہ ساتوں سر شدھ تھے۔ جب تک انہیں ایک مرد گائیک گائے نا کہ عورت گائیک۔ ایسی صورت میں محل میں کسی ایسی آواز کا پایا جانا جو ''سا'' اور ''پا'' کے ساتھ باقی کے پانچ سروں کی بھی ملکہ تھی کیسے ممکن تھا کہ ناپسند نہ کی جاتی۔ شاید نواب سراج کا ماننا تھا کہ جب ''سُر'' عورت کے حلق سے نکلے تو اس کا سرا تار دو۔

''سن لیں ناں آپ نے نواب کی باتیں۔ اب یہ سب یہیں روک دیں آپا!'' خالہ بڑی بے چارگی سے نواب بیگم کو دیکھ رہی تھیں۔ محل کی ایک ایک عورت نے نواب کی باتیں سن لی تھیں اور تھوک دینے کے انداز سے اپنے سر کو جھٹکا تھا۔ اب انہیں یہ بھی بتایا جائے گا کہ سانس کیسے لیں۔ رات کو کس کروٹ سوئیں۔

''مجھے نواب سے ڈرانے کی کوشش نہ کرو عصمت! عمر کے پینتالیس سال نواب باپ' نواب بھائی' نواب شوہر اور نواب بیٹوں سے

Sumaira Hameed:Author

ڈرتے ہوئے گزار دیئے۔ عمر کی چالیس ساعتیں ان سے ڈرے بغیر گزارنا چاہتی ہوں۔''

''محل میں رہنے والی عورتیں ایسی باتیں نہیں کرتیں آپا! ایسی باتیں تو مظلوم رعایا کا نصیب ہے۔''

''ظلم تب ہی ظلم کہلائے گا جب وہ جان پر ہو گا یا پیٹ پر؟ بولو...... جو روح پر ہوں وہ بھی ظلم ہی ہوتے ہیں۔ سارے قاعدے قانون ہمارے لیے بنا دیئے بس۔ میری والدہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اکیلی مر گئیں' اور میر انواب باپ ریاست کے جشن میں مصروف رہا۔ میں بھی ایسے ہی مر جاؤں گی...... تم بھی ایسے ہی مرو گی۔ تو ٹھیک ہے۔ مرنا ہی طے ہے تو طریقے سے مرتے ہیں۔''

پردے کی اوٹ سے مہر نے نواب بیگم کی بھیگی آنکھوں کو دیکھا۔ وہ جب بھی کوئی اداس گیت گاتی تھی تو نواب بیگم پہروں روتی رہتی تھیں۔ دل کا کرب آنسوؤں سے ڈھل جائے تو یہ بھی بڑی نعمت ہے۔ ورنہ کرب ناسور بن جاتا ہے۔ زخموں کی دوا مل جاتی ہے' زخموں کو دعا لگ جاتی ہے...... ناسور کو دوا ملے نہ دعا لگے......

☆ ☆ ☆

مہر نے کسی خاص تان' پکڑتان' اندولن' خیال گائیکی وغیرہ کی تربیت نہیں لی تھی لیکن اگر وہ کسی استاد کے سامنے پیش ہو جاتی تو وہ اس سے ضرور پوچھتے کہ مور محل میں ایسے بند رہتے ہوئے اس نے سروں میں ایسا کمال کیسے حاصل کرلیا ہے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ سارے گا ماپا دھانی سا کسے کہتے ہیں۔ وہ یہ جانتی تھی اس کے اندر لہر سی اٹھتی ہے تو وہ اپنی سانس کے ستار سے آواز ملا کر سر جگا لیتی ہے۔ راگ باندھ دیتی ہے۔ کومل کو تیور میں اور تیور کو اندولن بنا لیتی ہے۔

پھر اگر صرف وہ آ...... آ کی تان کرتی رہتی ہے تو سب کو رلا دیتی' سب کو ہنسا دیتی ہے۔ کسی کو ماہی اور کسی کو رانجھا یاد دلا دیتی۔ کوئی ہیر' کوئی جوگن ہو جاتی ہے...... کوئی جل جاتی' کوئی جلا دیتی ہے...... اگر وہ صرف...... آ...... آ...... کی خیال گائیگی کرلیتی ہے تو گیت اور میت ایک کر دیتی ہے۔

اپنے گیت وہ محل کی ملازماؤں کے ذریعے اکٹھے کرتی تھی۔ ان کا شہر اور بازار میں آنا جانا تھا۔ وہ اسے کچھ نہ کچھ لکھ کر لا دیتی تھیں۔ کبھی ساتھ دھن بھی مل جاتی تھی۔ کبھی اسے دھن خود بنانی پڑتی تھی۔ کبھی کوئی راگ بھی ہاتھ آ جاتا تھا۔ کبھی کوئی لوک گیت' ٹپہ' ٹھمری' اور کبھی ہیر...... ایک بار ملازمہ نے اسے بنجارن کا گیت گا کر سنایا۔ اسے وہ اچھا لگا۔

''گیت ادھورا ہے۔ تم نے ٹھیک سے نہیں سنا۔ بنجارن کو ڈھونڈ کر گیت ٹھیک سے لکھ لینا۔''

انعام کے لالچ میں ملازمہ نے بڑی مشقت سے بنجارن کو ڈھونڈ ڈھانڈ گیت گانے کے لیے کہا تو وہ بڑا اترخ کر بولی۔

''کس لیے؟''

''نام نہیں بتا سکتی۔ وہ پردے میں ہیں...... تم بس گا دو' میں بول لکھ لوں گی۔''

''میرا گیت بھی پردے میں ہے۔ دوبارہ مجھے ایسے سرِ راہ روک کر گانے کے لیے نہ کہنا۔ ہم اپنی خوشی اور مرضی سے گاتے ہیں۔ ہمارے گیت آزاد پنچھی ہیں۔ سب بیچ دیں گے اپنی آزادی نہیں۔ گڑوی پر ہاتھ چلتا ہے' حلق پر حکم نہیں۔''

Sumaira Hameed:Author

ملازمہ کو بنجارن کی بدتمیزی پر بہت طیش آیا۔مہر النساء نے سنا تو ہنس دی۔''فنکار کو پہلے عزت دو پھر عرضی۔تم نے دھونس جما کر کہا ہوگا کہ سنا دو۔فنکار مشہور و معروف ہو یا غیر معروف۔وہ بنجارا ہو یا گوالیار کا گائیک۔اپنے فن میں بادشاہ ہوتا ہے۔اور بادشاہ کے حضور پہلے آداب بجالاؤ۔دوبارہ ملے تو یہ دے دینا۔کہنا میں نے گرو دکشنا دی ہے۔پھر وہ سنا دے گی۔پھر بھی نہ سنائے تو کہہ دینا،''جو اپنے فن کو صرف اپنی میراث سمجھتا ہے'وہ پاگل اور دیوانہ ہوتا ہے۔''

ملازمہ نے اگلی بار دل پر پتھر رکھ کر اس گندی سندی' گلی گلی پھرنے والی بنجارن کو روک کر بہت تمیز سے گرو دکشنا میں چاندی کے زیور دیئے۔مسکرا کر عزت'اور تمیز سے عرضی۔بنجارن کچھ متاثر ہوئی۔نیم وا لبوں سے مسکرا دی۔

گیت جوگی تھا.....بول بنجارے.....

اس رات چودھویں کے چاند میں'فوارے کے سامنے قالین پر بڑے آدب سے بیٹھے اس نے سب نواب زادیوں اور نواب بیگموں کے دلوں کو مٹھی میں لے لیا تھا۔کوئی زیر لب بڑبڑا رہا تھا'اور کوئی زیر دل.....

دل بنجارا.....دل کا نگر نقارہ.....

یہ جہاں سارا.....وہ جہاں سارا.....تم پروارا.....تم پروارا.....

نواب بیگم نے جیسے اپنی سانسیں روک لیں۔عشق تو کبھی ان پر بھی وارد ہوا تھا۔یہ الگ رہا کہ وہ نصیب نہیں ہوا تھا۔محبت کے سر تال ان کے دل کے ستار پر بھی بجے تھے'یہ الگ رہا کہ گیت پورا نہ ہو سکا۔ہر راگ کو گائیک کہاں نصیب ہوتا۔ہر محبت کو منزل کہاں ملتی ہے.....پھر بھی.....محبت اور محبوب بھلائے نہیں بھولتے.....

''تمہارے بنجارے سروں نے میرا دل بہاراں کر دیا ہے مہر!''ہاتھ کی ایک انگوٹھی اتار کر انہوں نے مہر کے سامنے رکھی۔وہ جتنی خوش تھیں اتنی ہی آبدیدہ بھی۔

''تمہارے گیت نے مجھے پھر سے یاد دلا دیا ہے کہ نوابوں کے گھر پیدا ہونے کی کتنی بھاری قیمت چکانی پڑتی ہے۔نواب بیگم بننے کے لیے پہلے دل مارنا پڑتا ہے پھر درد دل.....''

مہر نے کچھ حیرت سے نواب بیگم کو دیکھا۔پھر اس نے گردن موڑ کر ایک نظر آس پاس ڈالی۔بوا اختر جو جوانی میں ہی بیوہ ہو گئی تھیں اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔اور زیر لب بڑبڑا رہی تھیں۔''محبت بیت گئی.....اب جدائی بیتا رہی ہوں.....''

☆ ☆ ☆

گورنر جنرل لارڈ سمتھ کی' گوری میم کیتھرین مور محل دیکھنا چاہتی تھیں اور وہاں رہنے والیوں کے ساتھ ایک دن گزارنا چاہتی تھیں۔نواب سراج نے کافی ٹال مٹول سے کام لیا لیکن آقا' آقا ہی ہوتا ہے۔اور آقا کی بیوی اس سے بڑا آقا۔اس لیے انہیں انکار کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔کیتھرین کو محل میں آنے سے کوئی نہیں روک سکا تھا۔وہ بے چاری بڑی خوش تھی۔سفید فراک'سفید ہی ہیٹ' جالی کے کہنی تک دستانوں' چھوٹی سی چھتری' اور ہاتھ پنکھ لیے جب وہ آئی تو اسے دیکھ کر سب کا دل خوش ہو گیا۔تھوڑی بہت اردو بول لیتی تھی۔سمجھ تو

Sumaira Hameed:Author

ساری ہی لیتی تھی۔

پہلے تو اسے محل دکھایا گیا۔ پھر اسے خوب کھلایا پلایا گیا۔ چولہے کے پاس بیٹھ کر اس نے روٹی تک پکائیں۔ پھر ان کے لیے کاڑھا (چائے) بنائی اورانہیں بہت شوق سے پلانے کی کوشش کرتی رہی۔ لیکن وہ سب سارا لحاظ مروت ایک طرف دیکھ کر اس کے سامنے ہی تھوکتی رہیں۔ ایک بس نواب بیگم نے پوری چائے ختم کر لی تھی۔ لیکن ان کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ ضبط کے کس امتحان سے گزر رہی ہیں۔

دریا رخ بنے جھروکوں میں کتنی ہی دیر تک کھڑی واؤ واؤ کرتی رہی۔ یہ سب حیرت سے ''ہائیں......ہائیں......'' کر کر کے کھی کھی کرتی رہیں۔ سنگ مرمر کے تخت پر بیٹھ کر اس نے سب کو انگریزی میں گانا سنایا۔ نواب بیگم کو اس پر بڑا رشک آیا۔ کیسی میٹھی آواز تھی اس کی۔ کیسا دل موہ لینے والا انداز تھا اس کا۔ کیسی خوش باش روح تھی۔

''محل بہت پیارا ہے......یہاں سے دریا کا نظارہ تو اور بھی خوبصورت ہے......''

سب نے حیرت سے اسے دیکھا۔ انہیں یہ تو یہاں، وہاں، کہیں سے بھی کچھ خوبصورت نہیں لگتا تھا۔

''چہل قدمی کے لیے روز جاتیں ہوں گی آپ دریا تک......؟'' وہ نواب بیگم سے پوچھ رہی تھی جو ان کے ساتھ ہی تخت پر بیٹھی تھیں۔ اورنواب بیگم کے اطراف میں کھڑیں محل کی زنانہ فوج کھی کھی ہنسنے میں مصروف تھی۔

''ہمیں کہیں جانے کی اجازت نہیں ہے......'' نواب محل نے کچھ ایسے کہا کہ کیتھرین سب سمجھ بھی جائے اور ان پر الزام بھی نہ آئے۔

''کیا مطلب......؟'' اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''ہم جن چار دیواروں میں پیدا ہوتے ہیں، انہی میں مر جاتے ہیں۔ ہم کیا جانیں مینار اور باغ......دریا اور آبشار۔ نام ہی سنے ہیں بس۔ سنا ہے دنیا میں پانی کے جہاز نام کی بھی کوئی چیز ہے؟'' نواب بیگم نے کچھ ایسی معصومیت سے کہا کہ سب دوپٹوں میں منہ دے کر اپنی ہنسی کو چھپانے کی ناکام کوشش کرنے لگیں۔

کیتھرین سر جھکا کر کچھ دیر کے لیے چپ ہو گئی۔ پھر وہ مسکرا کر لڑکیوں سے پوچھنے لگیں۔

''اوپیرا تو جاتی ہوں گی......تھیٹر......ناچ گھر......؟؟''

''یہ بڑے عجیب وغریب سوال نہیں کر رہی؟ پاگل لگتی ہے......'' قمر النساء مہر کے کان میں گھسی کہہ رہی تھی۔ باقی سب ناں میں سر ہلا رہی تھیں۔ وہ تو ان سب چیزوں کے نام پہلی بار سن رہی تھیں۔

''یہ میمیں یہ ہاتھ میں پنکھ کیوں پکڑ کر رکھتی ہیں......اتنی گرمی تو نہیں ہے......''

''یہ پنکھ اس نے ہوا کے لیے نہیں پردے اور لحاظ کے لیے پکڑا ہے۔ جالی کے دستانے، ہاتھ کا پنکھ، ہیٹ پر لگی جالی اور ہیٹ، یہ سب ان کے لیے ہمارے دوپٹے جیسا ہے۔ ہیٹ کی جالی سے ان کا چہرہ نظر آ رہا ہے لیکن یہ جالی اس بات کی نشانی ہے کہ ان سے فاصلہ رکھ کر طریقے سلیقے سے بات کی جائے۔ انہیں پورا پورا احترام دیا جائے اور ان سے بے تکلف نہ ہوا جائے۔ اسی لیے تو یہ کچھ مردوں کو دیکھ کر جالی

Sumaira Hameed:Author

الٹ دیتی ہیں کچھ کے لیے چہرے پر ڈال لیتی ہیں۔''مہر نے کان میں گھس کر جواب دیا۔

''تمہیں یہ سب کیسے پتا ہے.....؟؟''

''خالہ ماں کافی بار بتا چکی ہیں.....''وہ اس کی بے وقوفی پر افسوس کرنے لگی

''تو تم اس محل میں قید ہو.....''وہ بے چاری کتنی ہی دیر تک افسوس سا کرتی رہی اور صاف صاف پوچھ لیا۔

سب چپ رہیں۔نہیں وہ قید تو نہیں تھیں۔کھانا پانی' کپڑا' زیور' مٹھائی' سب مل رہا تھا۔ایک بنا بنایا محل' کھانے کو زعفران تک اور پہننے کو کمخواب بھی۔ریشم کے بستر اور منقش تخت۔سونے کے زیور' چاندی کے برتن۔یہ قید کہاں ہوئی۔

''کیسا لگتا ہے یہاں رہ کر؟''وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ یہ محل سے باہر نہیں جاتیں تو کرتی کیا ہیں۔مر نہیں جاتیں۔

لڑکیوں نے اس کا ہاتھ پکڑا۔اس کے سر سے ہیٹ اتار کر اسے دوپٹہ اوڑھایا۔کچھ بھاری زیور پہنائے اور لے جا کر کوٹھری میں بند کر دیا اور خود باہر نکل کر ہنسنے لگیں۔وہ اندر انگریزی میں پتا نہیں کیا کیا کہتی رہی۔

''پاگل ہو گئی ہو.....لاؤ اسے باہر.....''نواب بیگم نے اپنی ہنسی چھپا کر ذرا ڈانٹ کر کہا۔

''ان گوروں کو ہر چیز کی بڑی کھوج رہتی ہے نا.....لگا دینے دے اسے کھوج کہ ہم یہاں کیسے رہتے ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد وہ باہر نکلی تو بہت چپ چپ تھی۔

''ایسا لگتا ہے ہمیں یہاں رہ کر.....''قمر النساء نے مصنوعی بے چارگی سے سر کو جھکا کر کہا۔

اس نے سر اٹھا کر قمر کو دیکھا اور پھر اس کے گال پر پیار کیا۔اس نے نواب بیگم کے گال پر بھی پیار کیا تو نواب بیگم اپنا ہاتھ اپنے گال تک لے جا کر حیرت زدہ رہ گئیں۔وہ شرم سے سرخ تو ہوئیں لیکن انہیں محبت اور احترام کا یہ انداز بڑا اچھا لگا۔رات ہونے سے پہلے وہ چلی گئی۔رات ہونے کے بعد نواب غصے میں آگ بگولہ محل آئے۔

''کیا کیا کہا ہے آپ نے کیتھرین سے.....؟''

''جو جو وہ پوچھتی گئی ہم بتاتے گئے.....''بڑی بے نیازی سے کہا

''ہمارے رواج اور قانون یہ لوگ نہیں سمجھتے۔کہا تھا آپ سے مصلحت کے تحت جھوٹ بول دیجئے گا۔کچھ پردہ رکھ لیجئے گا۔''

''ایک تو جھوٹ جھوٹ ہوتا ہے' کتنا بھی مصلحت کے تحت بولا جائے۔پھر پردے تو بہت رکھے۔اب اس نے یہی پوچھ لیا تھا کہ نواب کی کتنی بیویاں ہیں تو ہم خاموش رہیں۔''

''آپ نے کہا آپ اس محل میں قید ہیں.....''

''قیدی اور کیا کہے گا؟''ان کے پاس ان کے ہر سوال پر لاجواب طنز موجود تھا۔

''ہمارے باپ دادا کے اصول ہیں یہ سب۔باعزت اور شریف عورتیں گھروں سے باہر نہیں نکلا کرتیں۔''

''تو گورنر لارڈ کی یہ بیوی شریف اور باعزت نہیں ہے۔انہیں تو آپ جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔''

Sumaira Hameed:Author

''ان کی روایات اور ہیں.....''

''ہونہہ! روایات..... ہر بات کا جواب' قانون' روایت اور باپ دادا۔ یہ جو گورے ہیں یہ ہیٹ اتار کر' سر کو جھکا کر اپنی بیویوں' بیٹیوں' بہنوں کو احترام کیوں دیتے ہیں؟ لچے لفنگے تو یہ بھی نہیں۔ باپ دادا تو ان کے بھی ہوں گے۔ ہمیں کوئی ہاتھ اٹھا کر پیشانی تک لے جا کر سلام کر لے تو ہم بے حیا ہو جاتی ہیں۔''

''ہمارا مذہب.....''

''مذہب سے بات نکلی تو بہت دُور تک جائے گی نواب صاحب! پھر اتنی کڑیاں ملیں گی کہ سزا میں آپ کو سنگسار ملے گی۔''

نواب کا چہرہ کچھ ایسا ہو گیا جیسے کسی نے پتھر دے مارے ہوں۔ ''کیا کمی ہے اس محل میں۔ ناشکری ہیں آپ۔''

''جائیں پھر..... آئیں کیوں ہیں سوال جواب کرنے کے لیے۔ کہہ دیتے گورنر کی بیوی کو کہ ہم سب تو یہی سب کرتے ہیں۔ ڈرتے کیوں ہیں ان سے؟''

نواب کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ ''اس نے کہا ہے کہ میں آپ سب کو شہر میں گھومنے پھرنے کی اجازت دوں۔''

''ہاں تو دے دیں۔ اگر نہیں دل مانتا تو نہ دیں۔ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟'' نواب کے غصے اور جھنجھلاہٹ سے وہ بہت خوش ہو رہی تھی۔

''کل تیار رہیے گا۔ دریا کنارے گھوم آئیے گا.....'' نواب نے جانے کس دل سے کہا۔

نواب بیگم زیر لب ہنس دیں۔

اگلے دن وہ سب دریا کنارے سیر کے لیے گئیں۔ کیتھرین بھی ساتھ تھی۔ وہیں انہوں نے بنجاروں کے گیت سنے۔ بنجارنوں سے کچھ زیور خریدے۔ ہاتھوں پر مہندی لگوائی۔ بس اتنی سی بات تھی اور نواب اور سارے نوابوں کو یہ لگتا تھا کہ اگر وہ گھروں سے باہر نکل گئیں تو ان کے تخت الٹ دیں گی۔ غدر مچا دیں گی۔ بغاوت کھڑی کر دیں گی۔

غدر تو ویسے مچا۔

''کیتھرین نے اس لڑکی کو دعوت میں لانے کے لیے کہا ہے جس نے کل اسے گیت سنایا تھا..... کون ہے وہ.....؟؟'' نواب کو سرا ہاتھ آ ہی گیا تھا۔

نواب بیگم نے لاعملی سے آنکھیں مٹکائیں۔ ''لڑکی نہیں لڑکیاں۔ وہ کوئی انگریزی گیت گا رہی تھی' لڑکیوں نے بھی پیچھے گا دیا۔ بس..... اب سب لڑکیوں کو بھیجنا ہو گا وہاں.....؟؟'' کمال انداز تھا ان کا۔

''اسے نام یاد نہیں۔ لیکن وہ بار بار کہتی تھی کہ ایک لڑکی کی آواز بہت خوب صورت ہے۔ اس کا گیت پیانو پر سننا چاہتی ہیں اور اپنے مہمانوں کو بھی سننا چاہتی ہیں۔ مجھے بتا دیں وہ کون ہے؟'' نواب نے بیوی کی دلیری پر طیش میں آ کر دیوار پر لگی تلوار کو کھینچ کر بیگم کی گردن پر رکھ دیا۔ تلوار کند تھی..... لیکن عورت کو ڈرانے کے لیے کند ن تلوار ہی کافی ہوتی ہے۔

Sumaira Hameed:Author

نواب بیگم نے تلوار کو گردن پر ہی دہنے دیا۔آنکھ اٹھا کر نواب کو دیکھا۔''میں مر جاؤں گی تو سب ماتم کریں گی۔تب آ کر دیکھ لیجئے گا کون کتنے سر میں روتی ہے.....''

نواب نے بیگم کا کبھی ایسا روپ نہیں دیکھا تھا۔وہ ششدر رہ گئے۔

''اگر بچیوں کو گورنر جنرل کی دعوت میں بھیجنا ہے تو بتا دیں۔میں ان کی کچھ تیاری کروا دو.....''

نواب نے وہاں سے چلے جانا ہی مناسب سمجھا۔

''نواب ہوں گے تو اپنی ریاست کے۔ان کی تلوار اور تیوروں سے ان کی رعایا ڈرے.....ہم کیوں.....'' ہونہہ کا ہنکارا بھر کر انہوں نے کہا۔

☆ ☆ ☆

نواب سراج کو ریاست کے کاموں سے کم ہی فرصت ملا کرتی تھی۔وہ اچھے انسان کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔کام کے دھنی اور رعایا کے حامی۔ان کے شوق کے بارے میں سب جانتے تھے کہ جب وہ ریاست کے کاموں سے تھک جاتے تھے تو کسی عظیم گائیک کو اپنا مہمان بنا کر سنا کرتے تھے۔

ایک گائیک تھے گوالیار کے.....''زیام منصور''.....سنا تھا کہ ان کے سروں میں وہ تاثر ہے کہ انسان سانس لینا بھول جاتا ہے۔ ایک سال سے نواب نے انہیں بلاوا بھیجا ہوا تھا۔لیکن جو جتنا بڑا فن کار ہو گا' وہ اتنا ہی زیادہ نخریلا اور من مرضی کا مالک ہو گا۔ویسے بھی فنکار لوگ عام انسانوں جیسا نہ سوچتے ہیں' نہ کرتے ہیں۔ان میں ایک رگ زیادہ ہوتی ہے۔نواب کی بار بار کی گئی درخواست کے جواب میں کچھ دستاویز آئی تھیں اور ساتھ ایک نمائندہ بھی۔محفل کیسی اور کہاں ہو گی۔لوگ کتنے اور کس کس عہدے کے ہوں گے۔محفل کا وقت اور دن۔وغیرہ وغیرہ۔کہ اگر نواب سراج کو یہ سب شرائط منظور ہیں تو زیام منصور آنے کے لیے تیار ہیں ورنہ.....

ورنہ.....نواب کو عادت تھی ایسی ناز برداریوں اور فرمائشوں کی۔۔وہ مسکرا دیئے۔ہاں میں سر ہلایا اور دستاویزات پر مہر لگانی چاہی کہ.....

''استاد زیام منصور اس محفل میں اپنی ایک خاص بندش پیش کریں گے۔جیسے تان سین نے درباری راگ بنایا تھا۔ایسے ہی زیام منصور نے ایک راگ بنایا ہے۔یہ راگ صرف نواب صاحب اور چند خاص لوگوں کو سنایا جائے گا۔نواب صاحب کو مہر اس وعدے پر دینی ہو گی کہ اگر نواب صاحب کے علاوہ یہ راگ کسی اور کان نے سنیں تو نواب صاحب بغیر اجازت سننے والے کی ''سماعت اور زبان دیں گے۔ کانوں میں سیسہ' زبان پر خنجر۔''

نواب سراج کا چہرہ غصے اور شرمندگی سے سرخ ہوا۔کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر وہاں کوئی اور موجود ہو اور سننے کی جرت کر سکے۔بہر حال نواب نے یقین دہانی کے لیے سر ہلا دیا۔وہ بھی ایسا راگ سننا چاہتے تھے' جو گوالیار کے زیام منصور کے علاوہ کوئی نہیں گا سکتا تھا۔انہیں آدھی فوج بھی اس گائیک کو لانے کے لیے بھیجنی پڑی تو ضرور بھیجیں گے۔اور زیام کو بلا کر رہیں گے.....

Sumaira Hameed:Author

''زیام منصور......''

مور محل کی ایک ایک عورت نے چپکے سے زیام منصور کو مہمان خانے میں دیکھ لیا تھا۔مرد ملازموں کو تھوڑی رشوت ہی تو دینی پڑی تھی۔گائیک تو بہت آتے جاتے تھے لیکن جس گائیک نے ایسے اپنی دستاویز بھیجی تھیں وہ پہلی بار آیا تھا۔انہیں یہ تو نہیں معلوم ہو سکا کہ اس میں کیا لکھا تھا لیکن ان تک یہ خبر آ چکی تھی کہ وہ کوئی ایسا راگ گائے گا جو اس کے علاوہ کوئی اور نہیں گا سکتا۔اب کوئی نہ کوئی اسے دوربین لگا کر دیکھتا رہتا تھا۔وہ بارہ دری میں بیٹھا ریاض کر رہا ہے۔باغ میں ٹہل رہا ہے۔دیوان میں بیٹھا ستار بجا رہا ہے۔گوروں کی ایجاد بڑی اچھی تھیں۔وہ اسے دیکھ تو لیتی تھیں لیکن سن نہیں سکتی تھیں۔

''ایسا بھی کیا ہو گا اس راگ میں بھلا......'' نواب بیگم کو بڑا تجسس سا ہو رہا تھا۔

''سنا ہے کہ راگ کی بندشیں ہوتی ہیں۔کوئی اس بندش (رکاوٹ۔توڑ) کو نکال لے تو راگ اس کا ہو جاتا ہے۔''

ہاں تو کون سی ایسی بندش ہے جو اس نے نکال لی ہے۔سنا ہے عمر بھی کوئی یہی ستائیس اٹھائیس سال ہے۔اتنی سی عمر میں اس نے کیسے بندش نکال لی۔جو کام اس کے باپ دادا نہیں کر سکے' اس نے کیسے کر لیا؟''

''بس جس پر خدا کی مہربانی ہو جائے......''

نواب بیگم کو مہر النساء پر بہت ناز تھا۔لیکن جیسے ہی زیام آیا ان کا فخر جاتا رہا۔اب ایسا بھی کیا ہے جو صرف وہ گا سکتا ہے۔جو صرف اس کے پاس ہے۔اگر راگ اس کا ہے' تو کیوں ہے۔

''مہر النساء یہ راگ سنے گی' اور پھر آ کر ہمیں سنائے گی......'' ہر کوئی چاہتا تھا کہ وہ راگ سنے۔ورنہ مر جائے۔

مہر النساء نے اب تک بہت کچھ کیا تھا۔وہ استاد غلام علی کی حویلی جا کر ان سے مل چکی تھی۔بنجارنوں' جوگیوں' ڈومنیوں کے گیت گا چکی تھی۔تہہ خانے اور چاندنی رات میں سب کو اپنے گیت اور راگ سنا چکی تھی۔لیکن خالو نواب کے محل میں جانے کی جرت نہیں کر سکی تھی۔نہ کرنا چاہتی تھی۔وہ بھی زیام منصور کو سننے کے لیے......جس کی خالی خولی شہرت ہی سنی تھی۔کیا پتا اصل شہرت سے کم ہو۔

خالہ کا رنگ زرد پڑ گیا۔''یہ نہیں جائے گی آپا! ایسا نہ کریں......''

''میں سارا انتظام کر دوں گی عصمت! مہر تم بھی فکر نہ کرنا۔سارے ملازم ویسے ہی میرے اشاروں پر ناچتے ہیں۔''

''پر ضرورت ہی کیا ہے آپا! چھوڑیں یہ راگ واگ۔ہمیں کیا لینا دینا ان سے۔جتنا مہر سنا دیتی ہے کافی ہے......''

''پر جو وہ سنائے گا وہ مہر کو کہاں آتا ہے۔وہ راگ تو کبھی کسی نے سنا ہی نہیں۔تم سب کیا کہتی ہو؟'' نواب بیگم نے دوسروں سے رائے لی۔

''مہر سے پوچھیں......'' سب نے یک زبان ہو کر کہا۔جس نے جان ہتھیلی پر رکھ کر جانا تھا' فیصلہ بھی اس کا ہی ہونا چاہیے تھا۔

نواب بیگم نے گہرا سانس لیا۔''ہم سب غلام بھی ہیں اور ڈرپوک بھی۔غلام اگر ڈرپوک نہ ہو تو وہ آقا ہوتا ہے۔''

مہر النساء نے ایک نظر نواب بیگم اور دوسری مور محل کی عورتوں پر ڈالی۔وہ جان گئی تھی کہ بات صرف راگ کی نہیں رہی تھی۔بات یہ

بھی تھی کہ زیام منصور اور اس راگ کے اتنے چرچے تھے کہ وہ سننے کے لیے مری جا رہی تھیں۔

''میں جاؤں گی.....'' اس نے کومل آواز لیکن تیور سروں میں کہا۔

غلام اگر ڈرپوک نہ ہو تو وہ آزادی کو دعوت دیتا ہے ورنہ موت کو.....

سُر رہیں گے یاسر..... ''میں جاؤں گی'' کا اعلان کرتے ہوئے وہ جان جاتی تو کبھی نہ جاتی.....

☆ ☆ ☆

فن کار حساس ہوتا ہے' کیونکہ اس کی حسیں جاگی ہوئی ہوتی ہیں۔ جو حساس نہیں ہے وہ فنکار نہیں ہے۔ زیام منصور اب صاف صاف یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ جس مہمان خانے میں اسے ٹھہرایا گیا ہے' وہاں چھپ کر کوئی اسے سنتا ہے۔ یہ مرد ملازم نہیں ہیں۔ یہ کوئی ایسا ہے جو اس کے فن سے واقف ہے اور اس کا مداح ہے۔

یہ صبح کا وقت تھا اور وہ صبح کے راگ' راگ بھیرویں کا ریاض کر رہا تھا۔ اکا دکا مرد ملازم' بارہ دری سے کچھ دور ٹہل رہے تھے۔ یہ وہی تھے جنہیں نواب بیگم رشوت دے کر منہ بند رکھنے کے لیے کہہ چکی تھیں۔

مہر النساء مہمان خانے میں آ چکی تھی۔ بارہ داری سے کچھ دُور' اوٹ میں کھڑی وہ راگ بھیرویں سن رہی تھی۔ اسے ایک لمحہ لگا تھا یہ جاننے میں کہ اس نے آج تک ایسی آواز' ایسے سر اور تان نہیں سنی تھی۔ محل کی ساری عورتیں اسے سریلا کہتی تھیں' اب وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہو گی کہ وہ سریلی ہے۔ اس نے اصل سر سن لیے تھے۔ وہ اس راگ کی قید میں کچھ ایسی جکڑ گئی کہ اوٹ سے نکل کر بارہ دری کے قریب اور قریب ہوتی گئی۔ کچھ دنوں سے وہ اور قمر زیام منصور کو دور دور سے سن رہی تھیں۔ ان تک آواز تو صاف نہیں آتی تھی لیکن بس ہلکا سا تاثر آتا تھا۔ وہ بھی مہر کو ہی سمجھ میں آتا تھا۔ آج وہ قریب سے سن رہی تھی۔ وہ راگ کی سمت کھینچی چلی جا رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ اتنی قریب چلی گئی کہ جب زیام نے سر اٹھایا تو سامنے اسے کھڑا پایا.....

وہ وہیں رُک گیا..... اس کا شک سہی تھا..... روز اسے کوئی سنتا ہے.....

جیسے ہی راگ کی تان ٹوٹی مہر النساء ہوش میں آ گئی۔ وہ زندگی میں کبھی اتنی خوفزدہ نہیں ہوئی تھی' جتنی اس وقت ہو چکی تھی۔ وہ زیام منصور کے غصے سے کھنچے ہوئے اعصاب کو با آسانی دیکھ سکتی تھی۔

زیام نے گردن گھما کر دائیں بائیں دیکھا۔ مرد ملازم وہاں سے غائب ہو چکے تھے۔ وہ جان گیا کہ یہ لڑکی ان ملازموں کی اجازت سے اندر آئی ہے۔ وہ طنز سے زیر لب ہنس دیا۔ یہ اس کے ساتھ پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ اس سے پہلے وہ جس مغل دربار سے وہ ہو کر آیا تھا وہاں بھی کم و بیش اس کے ساتھ یہی ہوا تھا۔ اس کی شہرت محل کی چار دیواری میں ڈنکے کی طرح بجتی تھی۔ زنان خانے کی عورتیں اسے دیکھنے کے لیے مرمٹنے کے لیے تیار ہو جاتی تھیں۔ جس کے چہرے پر فن کی سنہری چمک تھی اور آنکھوں کے تیور بڑے جان لیوا سے تھے.....

زیام منصور..... اگر وہ بڑا گائیک نہ ہوتا تو بڑے تخت پر تخت نشین ہوتا۔ اس کے گنگھریالے بال شانوں تک تھے اور بائیں کان کی لو میں چاندی کی بالی تھی۔

Sumaira Hameed:Author

☆ ☆ ☆

ڈیڑھ سو سال بعد......آج......

اپنا گٹار باکس سنبھالتی ہوئی میراں مال کی لمبی سڑک سے بھاگتی ہوئی الحمراء کی طرف آ رہی تھی۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ٹھنڈ کی شدت بڑھ گئی تھی۔ اس کا رکشہ ٹریفک میں پھنس گیا تھا۔ کار دو دن سے ورکشاپ میں پھنسی ہوئی تھی۔ وہ اپنے وقت سے پورے سات منٹ لیٹ ہو چکی تھی۔ اسٹیج پر تین بار اس کا نام اناؤنس کیا جا چکا تھا۔ مین گیٹ پر سیکیورٹی اس کا گٹار باکس چیک کرنا چاہتی تھی۔

''سنگر ہوں میں' دہشت گرد نہیں۔ کوئی بم نہیں ہے اس میں......''

وہ ہائیں ہائیں کرتے رہے گئے اور وہ ان کے ہاتھ جھٹک کر تیزی سے سیکیورٹی گیٹ پار کرتی ہوئی لان کی طرف بھاگی جہاں دُور سامنے اونچا سا اسٹیج بنا ہوا تھا۔ درمیان میں وہ ایک ایلیٹ ہپی سے ٹکرائی۔ جس نے غصے سے لپک کر اس کے گٹار باکس میں ہاتھ ڈال کر اسے کھینچ کر روکا۔

''تمہاری جرات کیسے ہوئی......'' وہ انگلش میں چلایا۔

اس نے کمر کو جھٹکا دے کر اپنا گٹار اس کی گرفت سے آزاد کروایا۔ ایک ٹکر ہی تو لگ گئی تھی۔ وہ بھی ہلکی سی۔ وہ ایسے بھڑک رہا تھا جیسے وہ کوئی بھینسا تھی' اور اسے سینگ مار کر زخمی کر دیا تھا۔

''سوری......بیل وھینسے......'' بیل وھینسے اس نے زیر لب کہا تھا۔ ویسے اسے یقین تھا اس دیسی انگریز کو ان دونوں لفظوں کا پتا ہی نہیں ہو گا۔

وہ پھر سے پختہ روش پر بھاگنے لگی۔ لان میں بکھرے' یہاں وہاں کھڑے لوگوں نے اسے پہچان لیا تھا کہ وہ آ چکی ہے۔ وہ اسے دیکھ رہے تھے۔ لیکن اسٹیج پر کھڑی الٹرا ماڈرن کمپیئرا سے دیکھنے کے باوجود اگنور کر رہی تھی اور کسی دوسرے سنگر کا نام اناؤنس کر رہی تھی۔

وہ جلدی سے ہجوم کو دھکیل (دھکے دے کے) کر اسٹیج تک آئی۔ ''میں آ گئی ہوں......'' اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

''یہ میوزک میٹ (music meet) ہے' ٹی وی شو نہیں جہاں تم دیر سے آؤ گی تو بھی چل جائے گا......'' لمبے ناخنوں' بم زدہ بالوں اور میک اپ کی سات تہوں میں دھنسے اعضاء کو مزید بگاڑتے ہوئے اس نے کہا۔ اس نے کچھ اتنی ٹائیٹ ٹی شرٹ اور جینز پہنی ہوئی تھی کہ اس سے پوچھنے کو دل چاہتا تھا کہ اس نے آکسیجن کا آلہ کہاں چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ جس سے وہ سانس لے کر زندہ کھڑے رہنے میں کامیاب ہو پا رہی ہے۔

''تم نے دیکھ بھی لیا ہے کہ میں آ چکی ہوں پھر بھی تم کسی دوسرے' تیسرے کا نام اناؤنس کر رہی ہو'' وہ اپنے کھلے' بکھرے بالوں کو تھوڑا بہتر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''میری دُور کی نظر کمزور ہے۔ ویسے بھی مجھے آرڈر تھا کہ اسٹیج پانچ منٹ سے زیادہ خالی نہ رہنے دوں۔ کسی دوسرے سنگر کو بلا لوں۔ یہاں آنے والوں کا وقت بہت قیمتی ہوتا ہے۔ وہ یہاں میوزک سننے آتے ہیں وقت ضائع کرنے نہیں۔''

Sumaira Hameed:Author

''اتنا میک تھوپا ہے' نظر کے دو لینز بھی ٹھونک لینے تھے۔اور ہٹو یہاں سے۔وقت قیمتی ہوتا ہے کی کچھ لگتیں۔جیسے یہاں میڈونا اور بیونسی آئیں ہیں جنہیں سانس لینے کی بھی فرصت نہیں۔سارے ویلے آتے ہیں یہاں...... سمجھیں...... جیسے میں تو اس ملک میں رہتی ہی نہیں۔اتنا لمبا لیکچر ایسے دے رہی ہو جیسے جل کر کوئلہ ہو چکی ہو کہ میں آ کیوں گئی۔راستے میں ہی مر کیوں نہیں گئی۔لاہور میوزک میٹ ہو یا پاکستان میوزک میٹ' مجھے سب سے پہلے بلایا جاتا ہے۔تم جلو یا جلے بغیر مر جاؤ' کمپیئر کی حیثیت سنگر سے اُوپر نہیں جا سکتیں۔اسٹار تو بالکل نہیں بن سکتیں۔اترو اب اسٹیج سے یا میرے ساتھ کھڑی رہ کر سیلفی لینی ہے۔پتا نہیں خود کو کیا سمجھتی ہو۔'' اس نے بھڑک کر مس روزی ڈوزی' کوزی کی طبیعت ایسے صاف کر دی جیسے تیزاب سے کموڈ کی کر دی جاتی ہے۔

''میری فکر چھوڑو...... تم خود کو کیا سمجھتی ہو...... سلینا گومز یا کے پاپ (کورین پاپ)؟؟'' وہ واقعی تیزاب تھی بھئی۔

اس نے اس جل ککڑی کو نظر انداز کر کے مائیک ہاتھ میں لیا اور کہا۔''دو منٹ کی بریک...... آپ کے اور میرے لیے......''

اس بریک کا اعلان صرف وہی کر سکتی تھی۔میوزک میٹ کی انتظامیہ نے پہلو بدلے۔کالے کوٹ میں' ہاتھ میں واکی ٹاکی لیے' اور کان پر بلوٹوتھ ایئر فون فکس کیے ایک میٹرکس فلم کے ولن جیسے حلیہ والا اس کی طرف غصے سے بڑھا تھا کہ اس نے ہاتھ کو بلند کر کے اسے وہیں روک دیا۔

''اچھا اچھا بس۔وہیں رہو...... دو منٹ کا کہا ہے' دو سال کا نہیں۔یہ لاہور میوزک میٹ ہے' ورلڈ میوزک میٹ نہیں۔زیادہ اچھلنے اور رعب ڈالنے کی ضرورت نہیں۔''

میٹرکس کے ولن کا چہرہ ایسے ہو گیا جیسے گٹار کی ٹوٹی مڑی تڑی تار۔وہ اس کی طرف طیش سے بڑھا لیکن اسے دوسرے ولن نے آنکھ کے اشارے سے چپ رہنے کے لیے کہا۔

وہ اسٹیج سے نیچے آئی۔الحمرا کے لان میں لاہور میوزک میٹ کے لیے بڑا ہجوم جمع تھا۔شام رات میں ڈھل چکی تھی۔آس پاس گیس کے ہیٹر رکھے تھے۔وہ ایک ہیٹر کے پاس کھڑی ہو کر ہاتھ گرم کرنے لگی۔اسے گٹار بجانا تھا۔ہاتھ ٹھنڈ سے سن ہو رہے تھے۔انگلیوں کو حرارت کی ضرورت تھی۔

''دو گھونٹ کافی پی لو......''

اس کے سامنے کافی کا ڈسپوزبل کپ آیا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔یہ اس کا کالج فیلو تھا۔شوٹر کے نام سے مشہور تھا۔

''تمہیں اپنی انرجی ویسٹ کرنے کی عادت ہو چکی ہے۔اسٹیج پر چڑھ کر بھی تم کوئی کمال نہیں دکھا سکو گی۔'' شوٹر اسے اپنے طنز سے شوٹ کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

''کالج فیلو ہوں یا کلاس فیلوز۔سب کو آگ لگ جاتی ہے جب کوئی ان سے آگے نکل جائے۔'' کافی لے کر اس نے دو گھونٹ پی لیے تھے۔

اس نے قہقہہ لگایا ''اس سال میں یہ تمہاری پندرھویں پرفارمنس ہے۔دسمبر کا اینڈ ہو چکا ہے' لیکن تمہاری اسٹرگل کا اینڈ ہوتا نظر

Sumaira Hameed:Author

نہیں آ رہا۔تم اتنی ضدی کیوں ہو؟ چھوڑو یہ سب' کوئی اور کام پکڑو۔ بلکہ ایسا کرو شادی کرلو۔''اس نے آنکھ مار کر کہا۔

''تم سب کی حسرتیں حسرتیں ہی رہ جائیں گی کہ میراں گھر بیٹھ گئی ہے۔اس نے میوزک چھوڑ دیا ہے۔وہ ناکام اور فلاپ ہو چکی ہے۔''

''ہٹ تو تم ابھی بھی نہیں ہو.....''

''اور فلاپ بھی نہیں ہوں۔ذرا دور ہو کر کھڑے ہو پلیز۔کتنی بدبو آ رہی ہے تم میں سے۔سردیاں آئیں نہیں کہ تم پر پانی حرام ہوان نہیں۔''

اسے ہاتھ سے پرے کر کے وہ اسٹیج پر چڑھ گئی۔اپنا گٹار باکس میں سے نکالا'اس کے تار چیک کیے۔مائیک کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔

اس کی آواز اچھی تھی.....گانے بھی اچھے ہوتے تھے.....لیکن جو سب سے اچھا ہوتا تھا وہ دھن ہوتی تھی.....

وہ اچھی دھنیں بناتی تھی'لیکن وہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھی کہ اسے بس دھنیں ہی بنانی چاہییں' گانا نہیں گانا چاہیے۔جینز پر کرتا پہن کر وہ پاپ اسٹار نہیں بن سکتی تھی۔جیسے الجھے بالوں اور الٹی سیدھی جیولری پہن کر وہ سلینا گومز کو کاپی تو کر سکتی تھی لیکن سلینا گومز نہیں بن سکتی تھی۔سلینا گومز کی آواز اچھی تھی'اور وہ اچھی آواز ایک بہت اچھے اسٹوڈیو میں ریکارڈ ہوتی تھی۔ایسے اسٹوڈیو میں جہاں بھدی آوازیں بھی سریلی ہو جاتی تھیں۔بڑی میوزک کمپنیوں کے ساتھ کام کر کے'چھوٹے سنگر بھی بہت بڑے اسٹار بن جاتے ہیں۔اور پھر لوگ کہتے ہیں کہ جی ان میں تو ٹیلنٹ ہی بہت ہے۔سو فیصد ٹیلنٹ کو بھی ہزار گنا بڑا پلیٹ فارم درکار ہوتا ہے۔ورنہ بنجارنیں جن کی آوازوں کو اسکیل اونچا ہوتا ہے'سروں میں پوری اور تان میں کامل ہوتی ہیں' بھی ٹیلنٹ میں شمار ہو کر اسٹار بن جاتیں۔ان کا تو سانس بھی نہیں ٹوٹتا۔

وہ اسٹار نہیں تھی۔وہ ٹاواں ٹاواں تارا تھی۔اس کی روشنی یہی کوئی چند ہزار لوگوں تک پہنچی تھی۔کچھ سوشل میڈیا کے زریعے اور کچھ یوٹیوب چینل کے زریعے۔کل ملا کر چند ہزار لوگ اسے باقاعدہ سنتے تھے۔ان چند ہزار میں سے کئی سو لوگ یہ پیش گوئی کر چکے تھے کہ اگر اسے بڑا پلیٹ فارم مل جائے تو وہ راتوں رات اسٹار بن سکتی ہے۔کیونکہ اس کا ٹیلنٹ نایاب ہے۔لیکن ٹیلنٹ کا ہونا اور اس ٹیلنٹ کا نکل کر اسٹارڈم میں بدل جانا دو الگ الگ باتیں ہیں۔

ٹاواں ٹاواں اسٹار گانا شروع کرنے ہی والی ہے۔

☆ ☆ ☆

''ہیلو ہیلو.....چیک اِن.....میراں ہیر.....''وہ مائیک پر کہہ رہی تھی۔

بہت جوش سے تالیاں بجائیں گئیں۔سب کی گردنیں اس کی طرف سیدھی ہو گئیں۔الحمراء کے لان میں رات پوری طرح سے اتر چکی تھی۔رش بہت بڑھ چکا تھا۔لاہور کے ایلیٹ پپی (انگلش ملنگ) اور جہاز پپی (دیسی ملنگ) وہاں جمع ہو چکے تھے۔کچھ سیڑھیوں پر بیٹھے تھے' کچھ کھڑے ہو کر ہوا کر رہے تھے اور گانا شروع ہونے سے پہلے ہی ماڈرن ٹھمکے لگا رہے تھے۔کچھ اسٹیج کے سامنے نیچے گھاس پر

Sumaira Hameed:Author

چوکڑیاں مار کر ایسے بے نیازی سے بیٹھے تھے جیسے انہیں دنیا سے کچھ لینا دینا نہیں۔وہ تو شدھ ملنگ ہیں۔ورنہ خالص جھلے پگلے اور دیوانے.....

اس نے گٹار کی تاروں پر ہاتھ مارا تو کتنی ہی دیر تک ہجوم کے شور سے کان پڑی آواز سنائی دینا بند ہوگئی۔سب جوش سے دیوانے ہو رہے تھے۔اس کا استقبال ایسے ہی بڑے جوش وخروش سے کیا جاتا تھا۔جیسے وہ وہاں صرف اور صرف اسے ہی سننے آئیں تھے۔جیسے وہ نہ آتی تو وہ بے چارے مایوسی اور اداسی سے مرمرا جاتے.....

''جھوٹے اور بے ایمان.....سارے کے سارے۔''ان سب کے جوش کو دیکھ کر وہ جل کر زیر لب بڑبڑائی۔

وہ اسے پسند کرتے تھے لیکن بس مفت میں۔لاہور میوزک میٹ بھی مفت کا شو تھا۔وہاں سب سنگرز کو بہت جوش سے سنا جاتا تھا۔ آج تک کسی آرگنائزر نے اسے ہائر نہیں کیا تھا۔اس کے مفت کے شو ہی ہٹ ہوتے تھے۔کہیں کوئی ٹکٹ والا شو اسے ملا ہی نہیں تھا۔اگر ٹکٹ والا شو مل بھی جاتا تو بھی مشکل سے ہی کوئی ٹکٹ خرید کر اسے سننے آتا۔کیونکہ وہ اچھا گاتی تھی لیکن ''اسٹار'' نہیں تھی۔اور لوگ صرف اسٹارز کے لیے پیسے خرچ کرتے تھے۔وہ بے سرا ہی کیوں نہ ہو۔وہ ایسا گائے یا ویسا۔کان پکا دے یا حسیوں کے لیے عذاب بن جائے.....لیکن.....خیر.....

اس نے گانا شروع کیا.....دیسی اور بدیسی ملنگوں نے جھومنا.....

گاتے گاتے اس نے دور سامنے دیکھا۔جہاں مفت چائے اور کافی کے اسٹال لگے ہوئے تھے۔وہاں بہت رش تھا۔مفت کے چپس پر بھی۔مفت کی سب چیزوں پر رش ہوتا ہے۔دو روپے کی ٹافی اور پانچ روپے کے بسکٹ پر بھی.....

گہرا سانس لے کر اس نے اپنی نئی دھن' سب مفت خوروں کے گوش گزر کی۔اسے غصہ بھی آیا کہ یہ چائے' کافی' چپس وغیرہ کی کمپنیاں اپنے مفت کے اسٹال میوزک میٹ میں ہی کیوں لگا لیتی تھیں۔تاکہ جو چار چھ لوگ انہیں سننے آتے ہیں وہ بھی انہیں نہ سنیں اور ان کی مفت کی چیزوں کو کھانے میں مشغول رہیں۔اتنے پیسے خرچ کیے تھے اس نے آج کی رات کے لیے.....پورے نو ہزار.....جی ہاں.....

جینز کے نیچے جوگرز اور بلیو شرٹ کے ساتھ وائٹ شرگ پہن کر۔اس نے کے پاپ کی سنگر کو کاپی کرنے کی پوری (بھونڈی) کوشش کی تھی۔ویسے اسے سب بھول کر بھی یاد تھا کہ کہاں کے پاپ کہاں لاہور پاپ۔جہاں لنڈے کی چار سو کی جینز کو نکال کر اس کے ڈریس کی قیمت نو ہزار بنتی تھی' وہاں کے پاپ گرل سنگر کے ڈریس کی قیمت کم سے کم ساٹھ ہزار ڈالر تھی' جو پاکستانی پیسوں میں تقریباً سات لاکھ بنتے تھے۔پھر بھی وہ انہیں کاپی کر رہی تھی۔حد تھی۔پھر کے پاپ کو ڈانس بھی آتا ہے۔اور ایسا ڈانس آتا ہے کہ گانا نہ بھی چلے تو ڈانس سے کام چل جاتا ہے۔جبکہ وہ اسٹیج پر تھوڑا بہت جو اچھل لیتی تھی' اس سے ہی اس کی ٹانگیں دکھنے لگتی تھیں۔گھر جا کر اسے ٹانگوں پر کس کر پٹیاں باندھنی پڑی تھیں۔کوئی آسان کام تھا اسٹیج پر چڑھ کر گانا.....

اس کا تعلق پاکستان کی میوزک انڈسٹری سے تھا۔جو نہ خود پیروں پر کھڑی ہو رہی تھی نا کسی اور کو ہونے دے رہی تھی۔وہ کے پاپ جتنا پاپولر ہونے کے خواب تو دیکھ سکتی تھی لیکن تعبیر حاصل نہیں کر سکتی تھی کیونکہ ہر فنکار کی کامیابی' ملک کی انڈسٹری کی کامیابی پر منحصر ہوتی

Sumaira Hameed:Author

ہے۔ ملک کی انڈسٹری کامیاب نہ ہوتو پچاس ساٹھ سالوں میں کوئی ایک لوئس فونسی تو پیدا ہوسکتا ہے' جس کا گانا پوری دنیا میں بجے لیکن ہر سال یا ہر دو سال بعد نہیں۔

اس کا گانا لاہور میوزک میٹ میں بڑے دھڑلے سے بج رہا تھا۔ اس نے کراوڈ کو کھڑے ہو کر تالیاں بجانے پر مجبور کر دیا تھا۔

اسٹیج کے دائیں طرف سیڑھیوں پر بیٹھے بہرام نے سگریٹ کا دھواں فضاء میں چھلے بنا کر چھوڑا اور دھویں کے مرغولے میں سے جھانک کر اسے دیکھا۔

''یہ کبھی اسٹار نہیں بن سکتی۔ جس دن یہ اسٹار بن گئی' اس دن میں اپنی کمپنی بند کر دوں گا۔'' گردن موڑ کر اس نے جنید سے کہا۔

''تمہیں اس کی قابلیت پر شک ہے؟'' وہ اپنی سگریٹ سلگا رہا تھا۔

''شک نہیں یقین ہے کہ اسے اس کی قابلیت ہی لے ڈوبے گی۔ جس کے پاس اصل ہوتا ہے' وہ نقل حاصل نہیں کر سکتا۔ ہماری میوزک انڈسٹری کو نقالوں کی ضرورت ہے۔ اس جیسوں کی نہیں۔ دو چار سال یہ اسٹیج پر دکھائی دے گی' پھر دیکھنا گوگل بھی اسے ڈھونڈ کر نہیں دے سکے گا کہ یہ گئی کہاں.....''

جنید نے چونک کر بہرام کو دیکھا۔ ''تو تم کچھ.....؟''

بہرام نے قہقہہ لگایا۔ ''اسے اسٹوڈیو میں جاب آفر کر دو۔ پھر دیکھتے ہیں یہ کب تک زندہ رہتی ہے.....'' کہہ کر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ہجوم میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ عین میراں کے سامنے کھڑا تھا لیکن ذرا سا دور۔ وہ گا رہی تھی..... اچھا گا رہی تھی..... لیکن اس کی دھن..... وہ کمال تھی.....

اسٹیج پر اس کی پرفارمنس کا دورانیہ ایک گھنٹہ تھا' لیکن چالیس منٹ بعد ہی اسٹیج دھڑام سے نیچے آ گرا۔ اس کا سر پیچھے کسی سخت چیز سے ٹکرایا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ بغیر ٹکٹ کے شوز میں یہی ہوتا تھا۔ یا ساؤنڈ سسٹم کام نہیں کرتا تھا یا اسٹیج گر گرا جاتا تھا۔

بہرام زیر لب ہنس دیا۔ ''کچھ لوگ بلندی پر چڑھ کر نیچے گرنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں' میرا خیال ہے تم بھی انہی میں سے ایک ہو میراں!''

☆ ☆ ☆

پاکستان بننے سے پہلے اس کے دادا ہیر گایا کرتے تھے۔ لوگ ان کے مداح تھے۔ بہت شوق سے انہیں بلاتے تھے۔ پھر جب موسیقی ''موت کی سسکی'' بن کر مردہ ہو گئی تو ہیر رانجھے' سوہنی' سسیاں' سب چپ چاپ اپنی موت آپ مر گئے۔ سارے راگ آلاپ گونگے ہو گئے اور سارے گویے بے زبان۔ گائیک گاگا..... گائے کی آوازوں والے بن گئے..... سننے والے انہیں برداشت کرنے والے.....

میراں بھی اسی دور کی پیداوار تھی' لیکن کلاسیک کے ساتھ ماڈرن مکس تھی۔ وہ اچھے گانے گاتی تھی' لیکن وہ گانے اچھی طرح سے ہٹ نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ ایک تو وہ اچھے اسٹوڈیو میں ریکارڈ نہیں ہوتے تھے۔ دوسرا وہ بڑے پیمانے پر پروموٹ نہیں ہوتے تھے۔ تیسری اور سب سے اہم وجہ کہ اس کی ساری قابلیت کے باوجود کوئی بھی میوزک کمپنی اسے لاونچ کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

Sumaira Hameed:Author

یہ وہ دُور ہے جس میں اگر تان سین بھی آ جاتے تو میوزک کمپنیاں انہیں بھی لینے سے انکار کر دیتیں۔ کیوں..... کیونکہ انہیں سر اور سر یلا نہیں چاہییں تھا۔ انہیں ہٹ گانے چاہییں تھے۔ ان سنگر نہیں چاہیے تھے' انہیں اسٹار چاہیے تھے۔ سب کچھ بنا بنایا۔ میوزک کمپنیوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ سنگر کو گانا آتا بھی ہے یا نہیں۔ اس کی آواز کا اسکیل کیا ہے۔ سانس کتنا پکا ہے۔ آواز ورا سٹائل ہے یا نہیں۔

انہیں بنے بنائیں اسٹار چاہییں تھے۔ بے حد امیر اور خوبصورت۔ جو سوشل میڈیا پر کسی نہ کسی بہانے آگ لگا کر رکھنے کی ساری تراکیبیں جانتے ہوں۔ کبھی نامناسب ڈریس میں تصویریں وائرل کر کے' کبھی سگریٹ ہاتھ میں پکڑ کر' کبھی کسی سے لنک اپ ہو کر' اور کبھی کسی کے خلاف بیان دے کر۔ اسے ایک لاکھ ایک لاکھ طریقے آنے چاہییں خبروں میں رہنے کے۔ تبھی وہ کانٹریکٹ کرنے کے لیے تیار ہوتی تھیں۔

اب پاکستان کی ساری انڈسٹریاں بس امیروں اور ایسے ڈھونگیوں کے لیے تھیں۔ ایکٹر' سنگر' ماڈل' پینٹر' سب آرٹسٹ' یہ امیر ہوں گے تو کامیاب ہوں گے۔ سارا آرٹ اب پیسے کے گرد گھومنے لگا ہے۔ ورنہ نہ تو ان کی عزت ہوگی' نہ انہیں شہرت نصیب ہوگی۔ پیسہ اور پی آر ہونی چاہیے بس۔ ٹیلنٹ کو کون پوچھتا ہے۔ اب یہ وہ سسٹم بن چکا ہے جہاں جسے ایکٹنگ نہیں آتی اسے بیسٹ ایکٹر کا ایوارڈ ملتا ہے۔ جسے گانا نہیں آتا اور یہ تک نہیں معلوم کہ ارو ہوی' امر ہوی (سروں کا اتار چڑھاو) کسے کہتے ہیں اسے بیسٹ سنگر کا مل جاتا ہے۔ جو کومل اور تیور سروں میں پہچان نہیں کر سکتا تھا' وہ ایوارڈ جیوری کا حصہ بن جاتا ہے۔ نوے کی دہائی کے بعد سے شوبز اور میوزک انڈسٹری میں کوئی غریب ''اسٹار'' نہیں بنا۔ وہ کتنا بھی ٹیلینٹڈ ڈیا آل راونڈر رہا ہو لیکن وہ نہیں بنا۔ ان انڈسٹریوں پر اب گدھے راج کرتے اور الو اڑان بھرتے ہیں۔

میراں خوب صورت تھی' لیکن خوب صورت تو چائے والا بھی تھا تو اس کا کیا ہوا۔ ٹیلنٹڈ تو محمد عاشق بھی تھا' جس سے بڑا پورے پاکستان میں کوئی سائیکلسٹ نہیں تھا اور جو ستر تمغے جیت چکا تھا۔ وہ اب کراچی کی سڑکوں پر رکشہ چلاتے ہیں۔ یہاں کام' ایوارڈ' چانس' سب پیسے اور پی آر کے بازار میں سر عام بک رہے ہیں۔ جو اچھا خریدار ہے' وہی اسٹار ہے۔

تو پھر..... جب سارے پیمانے ہی الٹے ہیں تو سب سیدھا کیسے ہوگا.....

وہ چند ایک پرائیوٹ شوز کر چکی تھی۔ سالگرہ وغیرہ کے فنکشن۔ ایسے ہی کچھ اسکول اور کالج کے لیے شوز۔ اس کے علاوہ اس کے کریڈٹ پر کچھ اور نہیں تھا۔ ایک بار ایک اسکول نے اسے کڈز سنگر کمپیٹیشن کے لیے جج کی حیثیت سے بلایا تھا' وہ بہت خوش ہوئی تھی۔ دن بھر جج کے فرائض سر انجام دینے کے بعد' شام کو اسے ونر کی لسٹ تھما دی گئی تھی۔ اسکول تو پہلے سے ہی فیصلہ کر چکا تھا کہ کون کون ونر قرار دیا جائے گا۔ تو اس کی حیثیت شوپیس سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ اس نے پرنسپل کو کچھ ایسے گھور کر دیکھا تھا کہ وہ سہم سا گیا تھا۔

''جو لسٹ آپ مجھے دے رہے ہیں نا' اس میں ایک بھی بچہ ونر بننے کے لائق نہیں ہے۔ بے سرے ہیں وہ سب۔''

''ہمیں بچوں کا دل نہیں توڑنا چاہیے..... بس اسی لیے.....''

''ہمیں ٹیلنٹڈ بچوں کا دل نہیں توڑنا چاہیے۔ اور ان بچوں کا نام اس لسٹ میں آپ نے شامل ہی نہیں کیا۔''

Sumaira Hameed:Author

بہت بحث وتکرار ہوئی اور پرنسپل صاحب صرف ایک ''ٹیلینڈ ڈ'' بچے کولسٹ میں شامل کرنے پر تیار ہوئے..... چوتھے نمبر پر.....

گھر والے بے چارے اس کی منت کر کر کے تھک چکے تھے کہ وہ یہ سب چھوڑ کر اپنی پڑھائی مکمل کرنے کی کوشش کرے جو اس نے گریجویشن کے بعد چھوڑی دی تھی۔ کسی اور فیلڈ میں اپنا کریئر بنائے لیکن یہ کام چھوڑ دے۔ لیکن ہر سچے' ڈھیٹ فنکار کی طرح وہ بھی ڈھیٹ ہی تھی۔ ہر فنکار کی طرح اسے بھی یہ یقین تھا کہ ایک دن آئے گا اور وہ اپنے خواب پالے گی۔ وہ اسٹار بن چکی ہوگی۔ لوگ اس کے کام کے دیوانے ہو چکے ہوں گے۔ اس کا ایک نام ہوگا..... بڑا نام..... شروع شروع میں ہر فنکار کو ایسے ہی پاگل دیوانہ کہا جاتا ہے۔ اس پر طنز کیے جاتے ہیں۔ پھر جب وہ کامیاب ہو جاتا ہے تو وہی لوگ اس پر پر فخر کرتے ہیں۔

''کہاں کہاں دھکے کھاتی پھرتی رہتی ہو۔'' مستقبل میں فخر کرنے والے لوگوں میں سے ایک نے کڑے تیوروں سے اس سے پوچھا۔ جھٹکے سے پردوں کو پرے کیا۔ دھوپ سیدھی اس کی آنکھوں میں گھسی۔ اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور کمبل کو منہ تک گھسیٹ لیا۔

''جواب تو دے دو اپنے باپ کو.....'' باپ نے تیکھے سروں میں کمبل کھینچ کر پوچھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ آنکھیں رگڑنے لگی۔ اس کے چہرے پر زخموں کے نشان تھے۔ جگہ جگہ بینڈ یج لگی ہوئی تھی۔

''اسٹیج گر گیا تھا' تو میں بھی گر گئی۔'' اس کی آواز رندھ گئی۔ اس کے چہرے کے زخم دیکھنے کے باوجود پاپا کا لہجہ نرم نہیں ہوا تھا۔ کیسے کمبل کھینچ کر' چلا رہے تھے اس پر۔

''تمہیں کیا لگتا ہے میراں! تم کیا بننے کی کوشش کر رہی ہو؟ مرنا ورنا ہے تو ویسے ہی مر جاؤ۔ گھر میں مر جاؤ۔ ہمیں بھی آسانی رہے گی۔''

''میری اتنی مشکل جدوجہد کو آپ بس اپنے لیے آسان کرنا چاہتے ہیں۔ میرے زخم دیکھ رہے ہیں پھر بھی کیسے ظالم بنے ہوئے ہیں۔ آپ نے ہی کہا تھا کہ ہر انسان کو اپنے خوابوں کی تعبیر پانے کے لیے جان جوکھم میں ڈالنی پڑتی ہے۔ میں بھی وہی کر رہی ہوں۔''

''خواب..... کون سا خواب..... ہٹ ہونے کا خواب؟ شہرت اور پیسے کا خواب؟ اسے تم منزل کہتی ہو؟''

وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی کہ کیسی عجیب وغریب بات کر رہے ہیں وہ۔

''اس نسل کا سارا مسئلہ ہی یہ ہے..... پیسہ اور شہرت..... پھر کہتے ہیں ہمیں تو اپنی منزل چاہئیں۔ کون سی منزل؟ تم چاہتی ہو کہ دنیا تمہارے گانوں کی دیوانی ہو جائے۔ اور تم کہتی ہو کہ یہ تمہاری منزل ہے۔ تم چاہتی ہوں کہ تم بڑے بڑے کنسرٹ میں بلایا جائے۔ لوگوں کا ہجوم تمہیں سننے کے لیے آئے..... یہ منزل.....؟؟ ہونہہ..... یہ منزل نہیں لالچ ہے..... شہرت اور ستائش کی..... تمہارے دادا ہیر گانے میں بہت مشہور تھے۔ لوگ انہیں دیسی گھی اور چاول کے بدلے میں ہیر گانے کے لیے گاؤں اور چوپالوں میں بلا لیتے تھے۔ وہ کئی دنوں کا سفر طے کر کے وہاں جاتے' اپنے فن کا مظاہرہ کرتے اور کسی روپے پیسے اور شہرت کے لالچ کے بغیر واپس لوٹ آتے۔ جب ان کا آخری وقت آیا تو انہیں یہ دکھ نہیں تھا کہ وہ گمنام مر رہے ہیں۔ انہیں یہ دکھ تھا کہ ان کے ساتھ ان کا فن بھی مر رہا ہے.....''

''میں بھی اپنے فن کے لیے.....'' اس کی زبان اٹک سی گئی۔

Sumaira Hameed:Author

''جھوٹ بولنا بند کرو میراں! خود کو مزید دھوکے میں نہ رکھو.....''

''تو کیا میں اچھی سنگر نہیں ہوں۔میری دھنیں بے کار اور نا کار ہیں۔''وہ چلا اٹھی۔پٹخ کر کمبل کو دور پھینکا۔

''اچھا سنگر اور اچھا موسیقار لوگوں کی داد کے لیے تڑپتا نہیں ہے۔وہ اس پر بے چین نہیں ہوتا کہ کوئی اسے سن کر تالی کیوں نہیں بجا رہا ہے۔اس کے آگے پیسے کیوں نہیں پھینک رہا.....''

وہ خاموش ہوگئی۔اب وہ اپنے باپ کو کیا سمجھاتی کہ وہ سچی سنگر ہی ہے'لیکن اس سچ میں تھوڑا جھوٹ بھی شامل ہے کیونکہ یہ وقت کا تقاضا ہے۔اپنے دادا کی طرح وہ اپنے فن میں باکمال ہونے کی پوری کوشش کرتی ہے'لیکن اسے کمرشل بھی ہونا ہے۔اسے بڑے بڑے کنسرٹ میں جانا ہے۔البم نکالنی ہے۔پچھلے لوگوں کی طرح'چند لوگوں میں اپنے فن کا مظاہرہ کر کے وہ مطمئن نہیں ہوسکتی۔وہ ٹکے اور آنے کے دور کی پیداوار نہیں ہے۔وہ ڈالر اور یورو کے دُور کی نسل ہے۔وہ تب ہی کامیاب مانی جائے گی جب اس کے پاس سب کچھ ہوگا۔چار سو کروڑ روپے اور آٹھ سو کروڑ سامعین۔

بس.....اتنی سی بات.....اور وقت کا تقاضا بھی.....

☆ ☆ ☆

''تمہارا گھر اچھا ہے لیکن کچھ چھوٹا نہیں بلکہ بہت چھوٹا؟''بہرام اس کے گھر آچکا تھا اور اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔تین بار اسے آفس میٹنگ کے لیے بلایا جاچکا تھا اور وہ تینوں بار آنے سے انکار کر چکی تھی۔اب وہ خود اس سے ملنے کے لیے آیا تھا۔

تم جوس پیو۔جوس کا گلاس کافی بڑا ہے'تمہارا پیٹ اور نیت دونوں بھر جائے گی۔''پاپا کی کل جمع پونجی'اس گھر پر اس نے ایک نظر ڈالی۔

''تمہیں سچ پر برا نہیں ماننا چاہیے میراں.....''

''یہ دس مرلے کا ڈیڑھ کروڑ کا گھر تمہیں چھوٹا لگ رہا ہے.....؟؟''وہ طنزیہ پوچھ رہی تھی۔

''دس کنال کے گھر کے مقابلے میں تو چھوٹا ہی لگ رہا ہے۔میرا تو آفس بھی تمہارے گھر سے بہت بڑا ہے.....''

''تم یہاں اپنی دولت اور آسائشوں کے بارے میں بات کرنے آئے ہو؟''

اس نے قہقہہ لگایا۔''تم سے ٹیون خریدنے نہیں'تمہیں اسٹوڈیو میں جاب آفر کرنے آیا ہوں.....''

''کیوں دھنیں چرانے کا کام تم نے چھوڑ دیا ہے یا وہ کام ڈھپ ہوگیا ہے۔''

''تمہاری ایک عادت یہ بھی بری ہے کہ تم پرانی باتیں بھولتی نہیں ہو۔جو سوال پوچھا ہے اس کا جواب دو.....؟؟''

''تم مجھے اپنے اسٹوڈیو میں جاب کیوں دینا چاہتے ہو.....؟؟''

''اگر تم شک کرنا چھوڑ دو تو وہاں کام کرنے میں تمہارا ہی فائدہ ہے.....؟؟

''تمہارا میرے فائدے سے کیا فائدہ ہے؟؟''

Sumaira Hameed:Author

اس نے ایک اور قہقہہ لگایا۔''دیکھو تم جانتی ہو کہ ہم نئے سنگرز کو گانے بنا کر دیتے ہیں......''

''نئے نہیں بے سرے سنگرز کہو......''

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ہم بے سرے سنگرز کو گانے بنا کر دیتے ہیں۔دھنیں،بول وغیرہ سب ہمارا ہوتا ہے۔ٹھیک ہے تم اپنا بیسٹ نہ دینا،لیکن تم اپنی عام سی معمولی دھنیں تو دے ہی سکتی ہو نا......تمہیں فی دھن کے حساب سے چارج کیا جائے گا......''

''یہ عام سی دھنیں کیا ہوتی ہیں؟؟''

''دیکھو تم بولتی ہو سنگرز والی زبان،وہ زبان ہم بزنس مینوں کو نہیں آتی۔اگر میری زبان میں سننا چاہتی ہو تو وہ کچھ یہ ہے۔سب سے عام دھن ہوتی ہے،ساٹھ سے اسی ہزار کی۔اس سے تھوڑی سی اچھی دھن ہوتی ہے ڈیڑھ سے دو لاکھ کی۔ہماری زبان میں یہ دونوں کارٹونز کہلاتی ہیں۔سلور دھن ہوتی ہے چھ لاکھ کی اور گولڈن دھن کو کم ہی لوگ افورڈ کرتے ہیں اس لیے اس کی قیمت رہنے دو۔ڈائمنڈ دھن ہوتی ہے منہ مانگی قیمت کی دھن۔وہ زیادہ تر غیر ملکی کمپنیوں کو بیچی جاتی ہیں۔سمجھ گئیں......تو تمہیں کارٹون پر کام کرنا ہے۔چاہو تو سلور،گولڈن پر بھی کام کر سکتی ہو۔ایک اور بات،ساٹھ ہزار والی دھنیں مشکل سے ہی ہٹ ہوتی ہیں لیکن اگر تمہارا اور سنگر کا چانس لگ گیا تو تمہیں کمیشن دیا جائے گا۔''

''مجھے نہیں کرنا یہ سب واہیات کام......''وہ بالکل متاثر نہیں ہوئی تھی۔

''تمہارا کام یہی ہے......دھنیں بنانا......تمہیں یہی کام کرنا آتا ہے اور تمہیں یہی کام کرنا بھی ہے۔دیکھو تم اسٹوڈیو میں کام کرو گی تو تمہارا بھی چانس بن سکتا ہے۔پورے پاکستان میں میرے اسٹوڈیو جیسا اسٹوڈیو نہیں ہے۔ایک مہینہ پہلے کچھ نئی مشینری انسٹال کروائی ہے۔اپنے کتے کی آواز میوزک کے ساتھ ریکارڈ کی تھی۔اب کیا کہوں کہ کتنے سر میں بھونکتا ہے میرا کتا۔مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ اتنا سریلا''بھوں،بھوں'' کرتا ہے۔آنا تو تمہیں سناؤں گا۔''

''تم نے گدھے کی آواز ریکارڈ کر کے نہیں سنی......اپنی آواز......''اس نے دانت پیس کر کہا۔

بہرام نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔''مجھے تمہارا منہ پھٹ ہونا پسند ہے......لیکن ایک حد تک......کتنا اچھا ہو اگر تم حد میں رہنا سیکھ جاؤ۔اینی وے......دیکھو ایک تو تم اچھے خاصے پیسے کما لو گی۔ہمارے تعلقات بھی بننے لگیں گے۔پھر ہو سکتا ہے ہم تمہیں لاونچ کرنے کے بارے میں سوچیں۔اچھا چلو لاونچ نہیں بھی کیا تو بھی کم سے کم تم میرے اسٹوڈیو میں اپنا گانا ریکارڈ کرا سکتی ہو......''

وہ چپ ہو گئی۔بہرام نے جو ساونڈ ریکارڈنگ اسٹوڈیو بنوایا تھا اس کی بہت دھوم تھی۔اسٹوڈیو اتنا جدید طرز پر بنا تھا کہ غیر ملکی سنگرز بھی وہاں آ کر اپنی دھنیں ریکارڈ کروا رہے تھے۔پچھلے سال اس کی کمپنی نے تین نئے سنگرز کو لاونچ کیا تھا،اور تینوں ہی اسٹیج پر آگ لگا رہے تھے۔وہ ان تینوں سنگرز کی آوازوں کو جانتی تھی،خالص بے سرے تھے۔لیکن اس کے اسٹوڈیو کا کمال تھا،ان کا بے سرا پن،سریلے پن میں بدل دیا گیا تھا۔باقی اندر کی کہانی جاننے میں کسی کو دلچسپی ہی کہاں ہوتی ہے۔

''میں کچھ عرصہ کام کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن میں کانٹریکٹ نہیں کروں گی۔کسی بھی وقت کام چھوڑ دوں گی۔''

Sumaira Hameed:Author

بہرام اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''جو مرضی کرنا' بس اسٹوڈیو آ جانا۔ لوگ سنگر بننے کے لیے مرے جا رہے ہیں۔ انہیں خالی خولی مرنے نہ دینا۔ مرنے سے پہلے ایک بار گانا گا لینا تو ان کا حق بنتا ہے نا۔ کوئی دھن بگڑ جائے تو بھی پریشان نہ ہونا' تیس چالیس ہزار میں یہ دھنیں بھی نکل جاتی ہیں۔ تم جانتی ہی ہو سب..... اینی وے' میں چلتا ہوں اب۔ تمہارے اس ڈربے نما گھر میں میرا دم گھٹ رہا ہے۔''

میراں نے سختی سے لب بھینچ لیے۔ ساری دنیا جانتی تھی کہ بہرام جتنا کمینہ انسان پوری میوزک انڈسٹری میں کہیں موجود نہیں ہے۔ اور بہرام سے بڑا کوئی گاڈ فادر بھی نہیں تھا۔ وہ جس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتا تھا' اسے اسٹار بنا کر ہی چھوڑتا تھا۔ لیکن اس سر پر ہاتھ رکھنے کے وہ پورے پورے پیسے لیتا تھا۔ بلکہ سالوں لیتا رہتا تھا۔ سنگر کو کم سے کم پانچ سال تک اسے اپنی کمائی کا چالیس فیصد دینا ہوتا تھا۔ جہاں اس کا لاونچ کیا سنگر ڈیڈ ہونے لگتا تھا وہ کوئی نہ کوئی متنازعہ بحث شروع کر کے سنگر کو زندہ کروا دیتا تھا۔ وہ اپنے سنگر کو اور اس کے بے سرے گانوں کو ہٹ کروانا جانتا تھا۔ ویسے بھی سر اور سریلا..... موسیقی اور اچھا گانا..... لوگوں کو اب ان کی ضرورت ہی کہاں رہی تھی.....

وہ رات اس نے سوچتے ہوئے گزار دی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ بہرام کا اس میں کیا فائدہ ہو سکتا تھا۔ اس کے اسٹوڈیو میں پہلے سے ہی کچھ اچھے میوزیشنز موجود تھے۔ وہ اچھی دھنیں بنا رہے تھے۔ اسے اب میراں سے کیا لینا دینا تھا۔ پہلی بار وہ اسے میوزک اکیڈمی میں ملا تھا۔ دوسری بار تب جب اس نے اپنا پہلا گانا یوٹیوب پر لاونچ کیا تھا' اور وہ طیش سے بھری ہوئی اس کے آفس میں گئی تھی۔ اس نے اس کے آفس کا گلاس ڈور دے کر مارا تھا۔

''تم نے میری دھن چرا کر اپنی کمپنی کے نام رجسٹرڈ کروالی ہے۔ اتنی ہی شرم کر لیتے کہ ہم دونوں نے ایک ہی میوزک اکیڈمی سے کلاسز لی ہیں۔''

اس نے قہقہہ لگایا۔ ''دراصل ایک سنگر کو تمہاری دھن پسند آ گئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے ایک ایسی دھن بنا دو۔ میں نے تمہارے یوٹیوب چینل پر پرویوز دیکھے۔ کل ملا کر دس ہزار تھے۔ میں نے اس سے کہا کہ ایسی کیوں..... تم یہی لے لو.....''

اس نے لب بھینچ لیے۔ ''تم اتنی آسانی سے یہ سب نہیں کر سکتے.....''

''آسانی سے نہیں کرتا میں میراں! بہت وقت اور پیسہ لگتا ہے یار! پہلے تھوڑی بہت ردوبدل کے ساتھ تمہاری دھن' اپنی دھن میں تبدیل کی۔ پھر تمہارا یوٹیوب چینل ڈیلیٹ کروایا۔ اب تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ دھن تمہاری ہی ہے۔ ویسے تم ان مقدمے وغیرہ کے چکروں میں نہ پڑنا۔ بہت گھٹیا نظام ہے یہاں کی عدالتوں کا۔''

وہ دانت پیس کر رہ گئی تھی۔ ''ایسی بھی اندھیر نگری نہیں ہے بہرام! سسٹم کتنا ہی خراب کیوں نہ ہو' انصاف مل ہی جاتا ہے۔''

اسے دو ماہ لگے تھے یہ ثابت کرنے میں کہ وہ دھن اس کی ہے۔ ان دونوں کے مشترکہ کلاس فیلوز' اور میوزک انڈسٹری کے سنجیدہ حلقوں نے باقاعدہ بہرام کو زلیل کیا تھا۔ سوشل میڈیا پر بھی ایک عرصہ بحث چلتی رہی تھی۔ جس سنگر کو اس کی دھن دے دی گئی تھی' اتنی بدنامی مول کر اس نے ہی سچ کا اعتراف کر لیا تھا کہ یہ دھن میراں کی ہے' اور اس نے بہرام کی کمپنی سے خریدی ہے۔ بہرام کی بدنامی تو ہوئی لیکن لوگوں کی یادداشت بہت کمزور ہوتی ہے۔ وہ اچھی باتیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بری باتیں بھول جاتے ہیں۔ ویسے بھی امیر انسان کے

Sumaira Hameed:Author

نقص یا درکھنا کون چاہتا ہے۔سب کو با اثر اور امیر انسان کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔کوئی وزیر ہو'سیاست دان' یا کھلاڑی.....میدان میں چیٹنگ کی ہو یا سیاست میں کرپشن۔ہاتھ میں ٹرافی ہو'پشت پر کرسی تو عوام سب بھول جاتی ہے.....سب.....

یہ واقعہ بھی سب بھول چکے تھے۔وہ میوزک انڈسٹری کا گاڈ فادر بنتا چلا گیا تھا۔کبھی اس کی' کبھی اس کی' وہ دھن پر دھن چراتا جا رہا تھا۔کوئی تھوڑا بہت شور کرتا تو وہ پیسے سے چپ کروا دیتا تھا۔ پیسہ اس صدی کا سب سے بڑا سچ ہے۔اس سچ کے آگے سب ''سچے سچ'' جھوٹ ہیں۔

☆ ☆ ☆

اس صدی کا سب سے سچا بندہ رات گئے سوئمنگ پول کے پانی میں گردن تک ڈوبا ایک اور سچ کہہ رہا تھا۔

''جو جوہری ہیرے کی پرکھ نہیں رکھتا وہ کانا ہوتا ہے۔اور جو ہیرے کو پرکھ کر بھی اسے ہاتھ سے پھسل جانے دیتا ہے وہ آنکھوں اور عقل دونوں کا اندھا ہوتا ہے۔' کچھ دیر پہلے اسے میراں کا فون آیا تھا کہ وہ کل سے باقاعدہ اسٹوڈیو جوائن کر رہی ہے۔

''تو یہ ثابت ہوا کہ تم کانے نہیں ہو.....''

''بالکل۔وہ اسٹوڈیو آئے تو اسے کھل کر کام کرنے دینا۔پوری آزادی دینا لیکن اس پر ظاہر نہ کرنا کہ تم نے اسے آزادی دی ہے۔اسے انسٹرومنٹس سے کھیلنے دینا۔وہ زیادہ دیر تک خود کو روک نہیں سکے گی۔بہت جلد وہ وہاں رات رات بھر کام کرے گی۔دن کو ہمارے لیے' رات کو اپنے لیے.....''

''اور پھر.....؟؟''

''مجھے اس کا رات کا کام ہی چاہیے.....اس کا اصل کام.....کیا سمجھے.....''

''تھوڑا تھوڑا سمجھ رہا ہوں.....''

''تم تھوڑا تھوڑا ہی سمجھ سکتے ہو کیونکہ تم بہرام نہیں ہو.....''

وہ سب پوری طرح سے سمجھتا تھا.....بہرام.....جس کے لمبے گھنگریالے بال ہیں۔جن کی وہ پونی بناتا ہے۔اور بائیں کان کی لو میں سفید سونے کی ایک بالی.....

☆ ☆ ☆

زیام منصور.....اگر وہ بڑا گائیک نہ ہوتا تو بڑے تخت پر تخت نشین ہوتا۔

مہر النساء نے سوچا کہ اسے فوراً بھاگ جانا چاہیے۔پھر جب وہ بوکھلا کر واقعی میں بھاگ پڑنے والے انداز سے پیچھے پلٹی تو ایک دم سے رک گئی۔اسے ایسے عظیم استاد کی بے عزتی نہیں کرنی چاہیے تھی۔وہ پلٹ کر واپس گئی۔زیام سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں آپ کو سننے کے لیے آئی تھی.....''اس نے گھگھیا کر کہا۔

زیام طنز سے کچھ ایسے ہنس دیا کہ اس کی گردن کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔''اور.....؟؟''وہ پوچھ رہا تھا۔

Sumaira Hameed:Author

''اور......اور......میں بھی گا لیتی ہوں۔آپ جتنا سریلا تو نہیں لیکن......وہ......میاں غلام علی غلام نے کہا تھا کہ مشرق اگر خیموں کی سرزمین ہے تو میرے سراس کے باشندے ہیں۔''اس نے بڑی معصومیت سے بتایا۔صرف اس لیے بتایا کہ وہ اسے ملازمہ سمجھ کر بھگا نہ دے۔ اسے بھی گائیک ہی سمجھے۔معمولی سا ہی سہی۔

زیام کے اعصاب کھنچ گئے۔وہ بارہ دری کے کنارے پر کھڑا تھا۔وہ کنارے سے باہر کچھ قدم دور سامنے کھڑی تھی۔

''غلام علی غلام......''زیام نے زیرلب نام دہرایا۔انہیں کون نہیں جانتا تھا۔وہ تو ان سے مل بھی چکا تھا۔اسے یقین نہیں آیا کہ اتنی بڑی بات انہوں نے اس لڑکی کے لیے کہی ہوگی۔

''میں ایک بار ان سے مل چکی ہوں۔انہوں نے کھانے کے لیے مجھے شرینی بھی دی تھی۔''اس نے یقین دلانا چاہا۔

''ایسے جھوٹ بول کر تم مجھے متاثر نہیں کر سکتیں۔یہ بتاؤ مجھ سے کیا چاہتی ہو......؟''

''کچھ مجھے بھی سکھا دیں......سنا ہے آپ ایک ایسا راگ گاتے ہیں جو کوئی اور نہیں گا سکتا۔''اس نے بڑی لجاجت سے کہا۔ کھڑے کھڑے اس نے ارادہ بنالیا تھا کہ کیا ضرورت ہے نواب خالو کے محل میں چھپ کر جانے کی۔اگر زیام منصور اسے ایک بار راگ سنا دیتے ہیں تو وہ مور محل جا کر سنا دے گی۔ایسے سب خوش......وہ بھی خوش......

زیام کی حیرت سے سانسیں بے قابو سی ہوگئیں۔کیا وہ کوئی چنے بیچنے والا تھا۔کیسی واہیات بات تھی یہ۔وہ ڈیڑھ سال کا تھا جب سیکھنے کے لیے بیٹھ گیا تھا۔چھبیس سال اس نے سروں کو استاد بنا کر خود ان کا شاگرد بنا رہا تھا۔اور وہ کہہ رہی تھی کہ اگر مشرق خیموں کی سر زمین ہے تو اس کے سر ان خیموں کے باشندے ہیں......تو پھر وہ کیا تھا......زنگ آلود ستار؟

''مجھ سے سیکھو گی......؟؟''اس کا غرور تلوار کی طرح کھنچ گیا۔بے یقینی سے مہر سے پوچھا۔''راگ سننا چاہتی ہو؟''

اس نے فوراً ہاں میں سر ہلا دیا اور مسکرا بھی دی۔

''میری گرو دکشنا دے سکو گی؟''

''ضرور دوں گی......جو کہیں گے وہ دوں گی......؟؟''

''پہلے گرو کو آزمائش دو......''زیام نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔اور پلٹ کر قالین پر کمر سیدھی رکھ کر مشرق کی سمت منہ کر کے بیٹھ گیا۔سامنے اسے بٹھا لیا۔

''سر اور سانس کو جانتی ہو......؟''

وہ نہیں جانتی تھی۔خاموش بیٹھی رہی۔

''کسی بھی سر کی تان کھینچو......دیکھتے ہیں تمہارا سر کہاں سانس توڑتا ہے......''

مہر النساء مسکرا دی۔بس اتنی سی بات۔سات سر......ارہوی امر ہوی......سب سے اُونچا سر ساتو اں سر ''سا'' ہے۔اگر یہ حلق سے نکلے تو جان کھینچ لیتا ہے۔اگر پھیپھڑوں سے نکلے تو سانس کھینچ دیتا ہے۔لیکن اگر یہ سانس اور پیٹ سے الگ' اندر سے نکلے تو سارے جہاں

کو ''سا'' میں سمیٹ لیتا ہے۔

اس نے کمر کو سیدھا کیا۔ دونوں پیر موڑ کر پیچھے کیے۔ استاد کے سامنے کمر اور پیر نکال کر نہیں بیٹھتے۔ پیٹ کا ایک بل سر کے سات بل ہوتے ہیں۔ نہ سر میں خم ہو نہ پیٹ میں بل۔ دل میں زعم ہو نہ تکبر کی جڑ۔ سر تب ہی باہر آتا ہے...... ''سا''...... سارا جہاں سا ہو جاتا ہے۔

زیام نے ریت گھڑی الٹ کر رکھ دی اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ گاؤ......

اس نے ......آ......آ......کو سا میں جکڑ لیا...... آواز بارہ دری سے نکلی' باغ کے کونے کونے سے ہوتی' محل کے جھروکوں تک جا پہنچی۔ اس کے سا کی گونج نے بارہ دری کی سانس کو روک دیا تھا۔ صبح کی اولین لہر کی طرح تازگی دیتی ہوئی...... سر سا میں ''آ'' کی گونج نے زیام کو پسینے پسینے کر دیا تھا۔ اس کی ریت گھڑی اپنا وقت پورا کر چکی تھی۔ لیکن مہر النساء نے اپنا سانس نہیں توڑا تھا۔ اس کے ''سا'' نے سارے جہاں کو جکڑ لیا تھا۔ صبح نکھر آئی تھی۔ دن روشن ہونے کو تھا۔ سب ''سا'' میں کہیں مقید ہو چکا تھا۔ سا نے اپنے سارے بھید کھولنے شروع کر دیئے۔ ہاں اب زیام نے شدھ ''سا'' کو پا لیا تھا۔

جب اس نے اپنی سانس کو روکا تو زیام کو سانس لینا یاد آیا۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا منہ سرخ ہو رہا تھا۔ پورے چھبیس سال اسے یہ بتایا جاتا رہا تھا کہ اس جیسا گائیک نہ کوئی پیدا ہوا ہے نہ پیدا ہوگا۔ تو یہ گائیک اس محل میں بنا سیکھے کیسے پیدا ہو گیا تھا۔ تان سین کی قبر پر لگی ساری املی چاٹ کر یا پھر کسی عظیم گائیک کا جھوٹا نگل کر۔ وہ کسی عظیم گائیک کا خون تھی...... یقیناً......

''نواب تمہارے کیا لگتے ہیں؟'' اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

وہ مسکرا رہی تھی۔ وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس نے اپنے استاد کو متاثر کر لیا ہے۔ ''میرے رشتے کے خالو ہیں......''

اس کا وہم یقین میں بدلنے لگا تھا۔ ''تمہارے والد؟ والدہ؟''

''والد فوج میں تھے۔ دونوں اب اس دنیا میں نہیں رہے۔''

''تم کسی گائیک کی بیٹی نہیں ہو؟ تمہارے خاندان میں سے کوئی گائیک نہیں گزرا؟ تم نے کسی سے سیکھا بھی نہیں۔''

''نہیں......'' اس نے سر بھی ناں میں ہلایا۔

اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ لڑکی جو مور محل سے آئی ہے۔ اس کا دُور دُور تک کسی گائیک خاندان سے تعلق نہیں ہے۔ نہ خون میں' نہ ریاض میں۔ نہ کوئی اس کا استاد رہا نہ اس نے کسی کی شاگردی لی۔

''نہیں...... آپ مجھے سکھائیں گے۔ مجھے اپنا شاگرد بنا لیں۔ آپ جب تک یہاں ہیں مجھے کچھ نہ کچھ سکھا دیں گے؟''

زیام نے سر ہلا دیا اور وہ اپنا دامن جھٹک کر چلا گیا۔ وہ بہت خوش ہوئی۔ شوق سے اپنے استاد کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ ان کے احترام میں ہاتھ باندھ کر کھڑی رہی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو وہ واپس آ گئی۔

''کیا کہا انہوں نے؟'' قمر پوچھ رہی تھی۔ وہ مہمان خانے کے پھاٹک پر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ڈر کے مارے سفید ہو رہی تھی۔

Sumaira Hameed:Author

''وہ مجھے راگ سکھانے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔آؤ چل کر سب کو بتائیں۔''

وہ خوشی سے ایک پیر چلتی' ایک پیر اچھلتی محل کی طرف بھاگی۔وہ سب کو بتانا چاہتی تھی کہ جس راگ کی اتنی دھوم مچی ہے' وہ راگ جلد ہی وہ بھی سیکھ لے گی۔جلد ہی مور محل میں بھی ایک محفل لگے گی۔نواب خالو نے تو اتنے جتن کیے ہیں' وہ صرف ''سا'' پر سانس ٹھہرا کر سب کچھ لے آئی ہے۔

''دل تو نوابوں کے پتھر کے ہوتے ہیں۔یہ استاد لوگ تو بہت بھلے مانس ہوتے ہیں۔''نواب بیگم نے سنا تو خوش ہو گئیں۔

''بھلا مانس ہے تو ہی اللہ نے اتنا فن دیا ہے۔وہ کیا کہا تھا تمہارے استاد غلام علی نے کہ دل کالا ہو یا سخت تو سروں سے سانس نہیں دھواں نکلتا ہے۔ایسے ہی تو نواب زیام منصور کے دیوانے نہیں ہوتے جا رہے۔دل ہرا بھرا ہے ان کا......''پہلی بار خالہ خوش ہوئی تھیں۔

''سچے فنکار کا دل معصوم بچے کی طرح ہوتا ہے۔اس میں کوئی بھید بھاؤ نہیں ہوتا۔نہ چالاکی نہ مکاری۔نہ حسد نہ لالچ۔اگر ہو تو پھر وہ سچا نہیں ہوتا یا پھر فنکار نہیں ہوتا۔کاش کوئی فن ہمیں بھی نصیب ہوتا۔ہمیں بھی ہاتھی گھوڑے بھیج کر بلایا جاتا۔سلامیاں دی جاتیں۔'' نواب بیگم نے چہک کر کہا۔

''کڑے تیوروں سے نواب آپ کو سلامیاں دیتے تو رہتے ہیں۔وہ تو آپ کو ہضم نہیں ہوتیں۔'' بوا نے اپنی اب تک زندگی میں پہلی بار کوئی پر مزاح بات کی تھی۔سب بڑا دل کھول کر ہنسیں۔

☆ ☆ ☆

کچھ سوچ بچار ہوئی اور مہر کو نواب محل کی محفل میں بھیج دینے کا انتظام کیا جانے لگا۔دیپ محل جہاں محفل ہونی تھی اس کے عین پیچھے ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔جس کے دروازہ دوسری طرف باغ میں کھلتے تھے۔مہر کو اسی باغ سے ہو کر اس ہال میں جانا تھا۔

سرشام ہی مہر کو کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔کمرے کے چراغ گل کر دیئے گئے تھے۔رات ہوئی تو وہ لکڑی کے دروازے کی درزوں کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔اب زیام اس کی نظروں کے عین سامنے تھا۔سیدھ میں دُور......لیکن سامنے......دائیں طرف نواب صاحب بیٹھے تھے اور دوسری نشستوں پر ریاست کے خاص لوگ۔

رات کا پہلا پہر ختم ہونے کو ہوا تو......

''اکبر کے دربار میں میاں تان سین نے کانہڑے کی گندھار اور دھیوت کو اندولن بنایا تو ایک نیا تاثر پیدا ہوا تھا۔شہنشاہ اکبر کو یہ نیا تاثر بہت پسند آیا تھا۔دربار میں یہ راگ اکثر گایا جانے لگا تھا......اسے درباری راگ کانہڑہ......''

مہر نے دروازے کی جھری سے زیام کو اتنا کہتے ہوئے سنا۔ وہ جس رعب سے بیٹھا تھا' وہ انداز وہاں کسی اور کو نصیب نہیں تھا۔وہاں موجود سب نواب اور نظام اس کے سامنے بونے ہو گئے تھے۔سب کی شان وشوکت دھری کی دھری رہ گئی تھی۔فن ایسی دولت ہے جو نصیب والوں کو نصیب ہوتی ہے۔پھر بادشاہ ہو یا نواب سب بونے ہو جاتے ہیں۔

زیام نے آلاپ شروع کیا......اس کے بالوں کے کنڈل بڑے کٹیلے سے ہو چکے تھے......زہریلے سانپ کے پھن کی طرح۔

Sumaira Hameed:Author

گندھار اور اندولن جھولنے لگے اور دل ڈولنے لگے۔ راگ کے سات سروں میں سے پہلے سر نے رات کی تاریکی کو اور تاریک کر دیا۔ اندھیرہ اکیلے پن میں شدت سے سمٹ آیا۔ کمرے میں بند مہر نے اپنے دل کو شدت سے سمٹتا ہوا پایا۔ اکلاپا ٹھہر کر بہنے لگا۔ جیسے جیسے راگ درباری گایا جا رہا تھا' وہ گھٹنوں کے بل زمین پر جھکتی جا رہی تھی۔ اور پھر اس نے بے اختیار اپنے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ راگ نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا......

راگ درباری کانہڑہ...... یہ راگ تاریکی' اور اکیلے پن کی شدت کے بہاؤ کا راگ ہے...... ایسے یہ رات کا راگ ہے......

مہر و نے خود کو کبھی اتنا بے خود اور بے بس نہیں پایا تھا۔ اندھیرے کمرے میں دیکھنے کے لیے اسے روشنی کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ صاف صاف دیکھ رہی تھی کہ اس کی روح کہاں سے کہاں سے زخمی ہے۔ کون کون سے دکھ اس کی جان کا روگ بن چکے ہیں۔

کوئی جان کا روگی ہو یا دل کا......

راگ درباری اس کا ہم جولی ہے......

لکڑی کے منقش دروازے سے پشت جوڑ کر زمین پر سب کچھ ہار چکی بے خودی میں جھکی مہر نے دھیمی آواز میں زیام سے آواز ملانی شروع کی۔ اس کا اندر کورا تھا' اس راگ کی بوندیں' اس پر انمٹ نقش ہوتی جا رہی تھیں۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور وہ اس راگ کے ساتھ سانس لینے لگی۔ راگ ختم ہوا تو اسے لگا اس کی سانس بھی ختم ہو گئی۔ وہ زمین پر آدھ موئی بیٹھی رہی۔ ایک ہاتھ دل پر اور ایک زمین پر۔

کوئی دکھ سے تڑپتا ہو...... اداسی میں جیتا ہو......

تاریکی سے نکل کر ہمیشہ اجالا ملتا ہے۔ اسے لگا اس کی روح تاریکی میں بہہ کر نکھر گئی ہے۔ اپنی ہتھیلی سے گیلی آنکھیں پونچھ کر اس نے کھڑے ہو کر زیام کو دیکھا۔ اس کے گھنگھریالے بالوں کے کنڈل اور کٹیلے ہو گئے تھے۔ کالے سیاہ ناگ......

رات کا دوسرا پہر شروع تھا...... راگ بہاگ کا پہر......

پھر ٹھمری اور پھر...... راگ زیام...... یہ وہ راگ تھا جس کا شدت سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ جسے کا تاثر اخذ کیا گیا تھا اور جس کی بندش زیام نے کھولی تھی...... پانچ سروں کا راگ زیام...... اس کے دادا نے اس راگ کا ایک پلٹہ اور انترے کی ایک مد نکالی تھی۔ کئی سالوں کی ریاضیت کے بعد زیام اسے مکمل کرنے میں کامیاب ہو سکا تھا۔

''نواب صاحب کی اجازت سے ہمیں پھر سے دیپ محل کی تسلی چاہیے۔'' پوچھا گیا۔

نواب نے سر سے اشارہ کیا اور دیپ محل میں کھڑے ملازم باہر جا کر اتنی دور کھڑے ہوئے گئے کہ ان تک آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ دروازے بند کر دیے گئے۔ زیام کے نمائندے نے دروازوں کی طرف اشارہ کیا۔ نواب کے خاص ملازم نے ایک ایک کر کے باہر سے ہال کی طرف کھلنے والے دروازوں کو کھول کر اندر جھانکا۔ اس دروازے سے اندر بھی جہاں پیچھے مہر کھڑی تھی۔

مہر و دروازے کے پیچھے دیوار سے لگ کر کھڑی ہو چکی تھی۔ وہ اوٹ میں نہ بھی ہوتی تو بھی یہ وہی ملازم تھا جس نے اسے وہاں چھپایا تھا۔ مور محل کی عورتوں اور صرف ایک اس ملازم کے علاوہ کوئی جانتا ہی نہیں تھا کہ وہ وہاں موجود ہے۔

Sumaira Hameed:Author

وہ وہاں موجود ہے...... اپنے سارے سر اور بچے کچے سانس لیے......

وہ وہاں موجود ہے...... راگ زیام کو ''راگ مہر'' میں بدلنے......

☆ ☆ ☆

نواب صاحب کا وہی خاص ملازم بس اندر رہ گیا اور زیام نے زہر خند انداز سے بند دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے' گردن کو ایک جھٹکا دے کر کمر کو پھر سے سیدھا کیا اور راگ شروع کیا......

یہ راگ رات کے تیسرے پہر کا راگ ہے......

سرج کا تار تھا اور آلاپ ایک سانس تھا۔ زیام کی آواز دیپ محل کے اونچی چھت والے ہال میں' جا بجا لگے فانوسوں کے گرد گھومتی جگنوؤں جیسی روشنیاں سمیٹ رہی تھی۔ مہر نے اپنے دل کی دھڑکن کو رک رک کر چلتے سنا۔ اس نے اپنی سانوں کو بے محال پایا' اس نے اس راگ کو اپنی سانوں میں ایسے اتارنا شروع کر دیا جیسے پیاسا پانی کو اتارتا ہے۔

یہ محبت کا راگ ہے...... محبت اور بے خودی کا......

یہ سماع کا راگ ہے...... آزادی اور ترنگ کا......

جھری سے لگی اس کی آنکھ جھپکنا بھول گئی۔ سب سننے والے پہلو تک بدلنا بھول گئے۔ زیام منصور نے ٹھیک کہا تھا اس نے سالوں کی ریاضیت کی ہے۔ وہ یہ کہنا بھول گیا تھا کہ سالوں سانس اور سر ایک تال پر رہے ہیں۔ دل پھول کی طرح کھل اٹھا۔ ساری اداسی جاتی رہی۔ یا محبت کر لی جائے' یا محبت پا لی جائے جیسا ہو گیا۔ یا آزادی ہو' یا آزادی متولی ہوا احساس جاگ اٹھے۔

رات کا تیسرا پہر...... ہو گیا......

جیسے کوئی خیال دل میں آتا ہے اور وہ کلام بن جاتا ہے۔ جیسے امیر خسرو کو سنتے' کوئی فن کار ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک لمحہ لگا اور مہر نے راگ زیام پا لیا۔ ساری بندش کھول کر اس نے پورے راگ کو روشن ستارے کی طرح دیکھ لیا۔ وہ زیام کے ساتھ ساتھ گانے لگی۔ اتنا کہ وہ زیام سے بس ایک سانس پیچھے رہ گئی...... بس ایک سانس......

وہ کمرے میں اکیلی تھی اور بے خود بھی۔ دروازے کی جھری سے اس نے اپنی آنکھ ہٹا لی اور دونوں آنکھیں بند کر کے راگ کو محسوس کرنے لگی۔ پھر وہ کمرے میں دروازے کے پاس پاس لہرانے سی لگی۔ اس کے پیروں میں پازیب نہیں تھیں۔ ہوتیں تو وہ ایسی چھن چھن کرتیں کہ آگ کو گلزار کر دیتیں۔

یہ دل کی بستی کے سبزے کا راگ ہے......

صحرا کے گلزار ہو جانے کا......

ادھر زیام منصور آنکھیں بند کیے سانسوں میں دل دھڑکا رہے تھے۔

ادھر مہر' زیام کی سانس سے پہلے اپنے سر نکال رہی تھی۔ اور پھر بس بے خودی میں' کچھ بہک کر' کچھ لہک کر' کچھ آزادی سے' کچھ

Sumaira Hameed:Author

بغاوت سے اور کچھ سب کچھ پا لینے کے جنوں میں..... اُدھر زیام نے آخری انترے میں اپنی جان لگا دی۔ ادھر مہر نے دروازے کے اس پار اپنی جان لگا دی.....

دو آوازیں دیوار کے اس اور اس پار گونجنے لگیں۔ یہ دونوں آوازیں ایک دوجے میں ایسے مدغم ہوئیں کہ فرق جاتا رہا کہ دو ہیں..... ایک عورت اور یک مرد کی..... ایک راگ ہے اور ایک راگنی.....

بس سر تھے..... شدھ تھے.....

پلٹے میں زیام نے ایک سانس ٹھہرایا تو اس نے جانا کہ جو سانس اس نے ٹھہرا لیا ہے وہ کسی اور نے نہیں ٹھہرایا۔ پلٹہ وہیں رہ گیا۔ زیام نے ہاتھ کھڑا کیا۔ سازندے وہیں رک گئے..... لیکن دیوار کے دوسری طرف.....

راگ کی ساری بندشیں کھول چکی مہر..... پلٹے کے آخری سر نکال رہی تھی.....

سارا عالم ہو کا عالم ہو گیا۔

اپنی بے عزتی اور سبکی کے خوف سے نواب کی پیشانی پر پسینے کی ایک باریک لکیر کھنچ گئی۔ سب کی گردنیں دروازے کی طرف مڑ گئیں۔ خون نواب کی کنپٹیوں میں لاوا بن گیا۔ آنکھوں کے شرارے اور ضبط کی چنگاریاں سب کچھ جلا دینے کے در پر ہو گئیں۔

''کون ہے وہاں؟'' نواب کی آواز مور محل تک سنی گئی ہو گی۔

زیام نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے ایک طنز بھری نظر نواب پر ڈالی۔ نواب کی ساری نوابی وہیں ڈھیر ہو گئی۔

''کون ہے وہاں؟'' سارے جہاں کے سامنے' یہ تماشا انہیں بہت مہنگا پڑے گا۔

نواب کے خاص ملازم نے جان لیا۔ ''موت دونوں طرف کے لیے لکھی جا چکی ہے۔''

☆ ☆ ☆

زیام خاموش رہا۔ سازندے دم سادھے بیٹھے رہے اور نواب کے چہرے کی سرخی بڑھتی گئی۔

مہر نے پلٹے کے آخری سر کو چھوڑا تو آنکھیں کھولیں۔ اس کی سانسیں معطر تھیں۔ وہ زندگی میں اتنی خوش کبھی نہیں ہوئی تھی جتنی آج ہوئی تھی۔ اگر اسے کوئی استاد مل جاتا تو وہ ایسے کئی راگ بنا سکتی تھی۔ اس نے راگ زیام کے پہلے سروں سے راگ کے باقی سروں کی بندشیں نکال لی تھیں۔ اس نے راگ کا وجود پا لیا تھا۔ جیسے پھول خوشبو کو پا لیتا ہے اور خوشبو پھول کو..... یہ کوئی ایسا راز نہیں' بس جو جس کا ہوتا ہے' وہ اس سے آملتا ہے..... مہر کو اس کا راگ آملا تھا۔ راگ زیام' پورا عیاں ہونے سے پہلے عیاں کر لیا تھا۔

اور کچھ اس لیے بھی زیام کا منہ سرخ تھا.....

جس وقت جھٹکے سے دروازہ کھلا اس وقت بھی وہ راگ کے محسوسات میں گھری کھڑی تھی۔ باہر سارا عالم کس عالم میں ہے' وہ بے خبر تھی۔ وہ بہت خوش تھی کہ آئندہ رات وہ مور محل کی محفل لوٹ لے گی۔ نواب بیگم اس پر نازاں ہوں گی اور نواب زادیاں اس پر نثار۔ بے خودی کا ایسا راگ انہوں نے بھی کہاں سنا ہو گا۔ ایسا راگ جو دل کو باغ باغ کر دے۔ بنا پر کے انسان کا اڑا دے۔

Sumaira Hameed:Author

ہاں تو پھر جس وقت دروازہ کھلا' اس وقت وہ دروازے کے عین درمیان میں کھڑی تھی ۔ پٹ باہر کی طرف وا ہوئے تو وہ پیچھے کی طرف گرتے گرتے بچی۔ جب وہ سنبھل کر اٹھ کر کھڑی ہوئی تو اس نے ساری محفل کو آگ پایا۔ ایک ایک نظر خود پر......اس کا دو گز کا گھونگھٹ بھی اسے کسی نظر سے نہ بچا سکا.......

''کون ہے باہر لاؤ اسے......''

ملازم کی زبان پر سانپ پھر گیا۔ اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ حکم مانے یا حد پچانے ۔ مورمحل کی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر سب کے سامنے کیسے لے آئے ۔ دو گز کا گھونگھٹ نکال کر کھڑی اس لڑکی کے درمیان دو سو میل کا فاصلہ بھی آ گیا تب بھی وہ بہت کڑا وقت کاٹے گی......

''کیا تمہیں سنائی نہیں دے رہا......'' نواب پوری قوت سے دھاڑا اور ساری محفل کو سانپ سونگھ گیا۔

''وہ......وہ مورمحل س......س......سے......''

رات کے تیسرے پہر کا راگ' رات کے پہلے پہر کے راگ میں بدل گیا۔ اس کے دل نے رات کی ساری تاریکی نگل لی ۔ اس کا حلق سوکھ کر صحرا ہو گیا۔ ایک ایک کر کے اس نے کتنے ہی سروں کو دم توڑے دیکھا۔ ملازم کی جان پر رحم کرتے ہوئے' مہر نے اپنے قدم خود ہی آگے بڑھا دیئے ۔ دروازہ نواب کی پشت کی طرف تھا۔ وہ چلتی ہوئی نواب کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ ہال کے درمیان میں ۔ سب کے سامنے......زیام منصور سے بائیں رخ......

دو گز کے گھونگھٹ میں نواب نے اسے پہچان لیا تھا۔ ایسی لڑکیوں کو سہارا دینے کا یہی نقصان ہوتا ہے ۔ ایک دن وہ باندی سے کٹاری بن جاتی ہیں اور گردنیں کاٹ ڈالتی ہیں......ورنہ کٹوا لیتی ہیں......

زیام اٹھا اور نواب کو پشت دکھا کر' سازندوں کو اشارہ کر کے جانے لگا۔ جانے سے پہلے اس نے بس اتنا کہا......

''نواب صاحب کو تحائف واپس کر دیئے جائیں ۔ وظیفے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی ۔ دستاویزت جلا دی جائیں ۔ ہم اسی وقت واپس جائیں گے ۔ جہاں زبان کا پاس نہیں وہاں فن کو ہوا راس نہیں ۔''

مہر نے جھٹکے سے سر اٹھا کر زیام منصور کو دیکھا۔ وہ مشکل سے سترہ سال کی تھی' لیکن اتنی بے وقوف بھی نہیں تھی ۔ زیام......پھر تو وہ رہا تھا اپنی زبان سے......

''آپ کو زبان چاہیے یا سانس؟'' نواب پسینے میں بھیگ چکے تھے۔ بھری محفل میں ایک گائیک نے انہیں پشت دکھائی تھی ۔ طنز کیے تھے ۔ زبان سے پھرنے کا طعنہ دیا تھا۔ نواب نے ساری زندگی ایسی بے عزتی کا مزا نہیں چکھا تھا۔

مہر نے بے یقینی سے اپنے رشتے کے خالو کو دیکھا۔ وہ کتنے بھی سخت مزاج اور پتھر دل ہوں لیکن ایسے نہیں تھے ۔

''زبان لیں گے یا سانس......؟'' نواب نے سوال پھر سے دہرایا کہ وہاں بیٹھا ایک ایک شخص سن لے ۔ وہ اپنی زبان کی لاج قیمت کسی کی جان دے کر بھی چکا سکتے ہیں......سب سن لیں......

زیام نے ایک نظر مہر کو دیکھا۔ زیر لب ہنسا اور پھر ہنسی چھپا لی......اور پھر اس نے کہا......

Sumaira Hameed:Author

''سانس......''

مہر نے کچھ ایسے جھٹکے سے سر اٹھایا کہ اس کا گھونگھٹ گر گیا۔اس کی آنکھوں میں ایک دم سے اتنے آنسو سمٹ آئے کہ مور محل کے سامنے بہتا دریا سوکھ کر آبدیدہ ہو گیا۔

''سانس......''

اس کے سارے سر عظیم گائیک زیام منصور کی بے اعتنائی اور ظلم پر دم بخود رہ گئے......

نواب کے اشارے پر ملازم نے مہر کا ہاتھ پکڑا اور اسے گھسیٹ کر باہر لے جانے لگا۔نوابوں اور نظاموں سے ہال خالی ہونے لگا۔ایک ایک کر کے فانوس گل ہونے لگے۔اس میں چلنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ملازم اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹنے پر مجبور تھا۔اور وہ گردن پیچھے موڑے زیام کو دیکھ رہی تھی۔پھر اس نے ملازم سے جھٹکے سے اپنا ہاتھ الگ کروایا اور بت بن کر کھڑی رہ گئی۔زیام نے دوسرے دروازے سے مہمان خانے جانے کا اپنا ارادہ ترک کیا اور چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔

''تم نے کہا تھا تمہیں کچھ سکھا دوں۔میں نے تمہیں یہ راگ سکھا دیا ہے۔اب گرو دکشنا میں تمہاری جان لے رہا ہوں......تمہاری سانس......تمہارے سارے سر......'' وہ ہنسا......گردن کو ہلکا سا جھٹکا دے کر اکڑ لیا۔

☆ ☆ ☆

گھر والے خوش تھے کہ وہ جاب کرنے لگی ہے۔اس کے تینوں بھائی' ماما اور پاپا۔اب وہ فقیروں کی طرح چھوٹے موٹے کنسرٹ کے لیے بھاگ دوڑ نہیں کرے گی۔جاب کی اپنی ہی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔کتنا بھی فری لانس ہو کر کام کیا جائے' جاب جاب ہوتی ہے۔

چند دن تو وہ اسٹوڈیو کے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔دراصل وہ اسٹوڈیو کا پورا سسٹم دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔وہاں ایسے ایسے تکنیکی آلات موجود تھے کہ چھوٹی موٹی دھنیں تو وہ بیٹھے بیٹھے بنا سکتی تھی۔اسٹوڈیو کا اچھی طرح سے جائزہ لینے کے بعد اس نے وہاں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔اس کے پاس کافی دھنیں تقریباً تیار رکھی تھیں۔کچھ ادھوری تھیں۔کچھ کو شارپ کرنا تھا۔

پندرہ دنوں کے اندر اندر اس نے کل ملا کر پانچ دھنیں اسٹوڈیو کے حوالے کر دی تھیں۔بہرام کمپنی کے آفس سے اٹھ کر اسٹوڈیو اس سے ملنے آیا تھا۔

''واؤ......کیا کمال کی رفتار پکڑی ہے تم نے میراں! میں بہت خوش ہوا ہوں۔''

وہ بیس سالہ سنگر لڑکے کو دھن پر بولوں کی پریکٹس کروا رہی تھی۔مسکرا کر بہرام کو دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔البتہ دل میں کچھ ایسے الفاظ دہرا رہی تھی' جو اگر زبان سے باہر نکال دیتی تو بہرام اسے کرسی سمیت اٹھا کر باہر پھنکوا دیتا۔

''میرے آفس میں کام شروع کرتے ہی تمہاری زبان کی رفتار کچھ سست نہیں پڑ گئی۔صرف مسکرا رہی ہو۔'' بہرام نے اس کی خاموشی کو نوٹ کر لیا تھا۔

''تم ہمیں ڈسٹرب کر رہے ہو بہرام! ویسے تم اتنا مسکرا کس لیے رہے ہو۔بڑوں سے سنا نہیں کہ خواہ مخواہ مسکرانے والا پاگل لگتا

Sumaira Hameed:Author

ہے۔پنجابی میں اسے ''جھلا'' کہتے ہیں.....''

اس نے قہقہہ لگایا۔''اگر میں جھلا ہوں تو دعا کرو کہ ساری دنیا میری طرح جھلی ہو جائے۔''

''مجھے ساری دنیا کے تمہاری طرح جھلا ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔لیکن وہ تمہاری کمینی نہیں ہونی چاہیے.....''اس نے دانت پیس کر کہا۔''اب ٹھیک ہے میری زبان کی رفتار؟؟''اب مسکرا کر چڑ کا پوچھا۔

''کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ کسی جھیل کے کنارے بیٹھ کر کافی پیو۔کافی میں بچھو کا زہر اور جھیل میں مگرمچھوں کا ہجوم ہو۔اگر تم کافی سے نہ مرو تو مگرمچھوں کے نوکیلے جبڑوں میں آ کر مر جاؤ.....''وہ واقعی میں چڑ کر بھڑک چکا تھا۔

''مگرمچھوں کے درمیان کام کرتو رہی ہوں۔جو نوکیلے بھی ہیں اور بھڑکے ہوئے بھی۔اچھا کیا بتا دیا' اب اس اسٹوڈیو سے کبھی کافی نہیں پیوں گی۔''وہ اچھے گانے ہی نہیں گاتی تھی' اچھی طرح سے طبیعت بھی صاف کر دیتی تھی.....تالیاں میراں کے لیے.....

مسکرا کر بہرام اسٹوڈیو سے باہر چلا گیا۔کار تک جاتے جاتے' اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔کار کے دروازے کو دھاڑ سے بند کیا کہ گلاس ونڈو سے دیکھتی میراں کے لب وسل بجانے کے لیے وا ہو گئے.....

''الوتے نالے پٹھا.....''اس نے کی بورڈ پر میوزیکلی بجایا۔

بے سراتے نالے نخریلا.....

جتنا لوگوں نے میوزک کو آسان حلوہ سمجھ لیا تھا' اتنا ہی اس جیسے لوگوں کا جینا محال ہوتا جا رہا تھا۔مشکل سے سولہ سال کی سوشل میڈیا کوئین نے تقریباً تقریباً اس کے ناک میں دم کر دیا تھا۔وہ اپنے یوٹیوب چینل کے لیے ایک عدد گانا ریکارڈ کروانا چاہتی تھی۔عام بول چال میں بھی وہ ناک میں بولتی تھی تو گاتے ہوئے وہ کس قدر ''ناکوں ناک'' ہو سکتی تھی اس کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

''دیکھو جو بھی انسان ناک میں گاتا ہوا سے تھوڑی سی پریکٹس کی ضرورت ہوتی ہے۔شروع شروع میں کافی سنگر ناک میں گاتے ہیں۔یہ ایسا کوئی بڑا نقص نہیں ہے۔تم گانے کے بولوں کو عام بول چال کی طرح پڑھنے کی مشق کرو' اور منہ سے الفاظ نکالو۔''

''عاطف اسلم بھی تو ناک میں گاتا ہے۔میں بھی گالوں گی۔''اس نے منہ بنا کر کہا۔

''عاطف کی آواز کا اسکیل جانتی ہو کیا ہے؟ جہاں ہم جیسوں کی آواز ختم ہوتی ہے' وہاں سے اس کی شروع ہوتی ہے۔اس کی آواز کی کوالٹی اور پچ چند خاص آوازوں میں سے ایک ہے۔ایسی آوازیں خدا کا تحفہ ہوتی ہیں۔وہ سارے سر ناک سے نکالے تو بھی وہ سریلا ہی رہے گا.....کیا سمجھیں؟''

وہ پوری طرح سے سمجھ کر اسے گھور رہی تھی.....بری طرح سے بھی.....

''اینی وے! تم چند ہفتے اس کی پریکٹس کرو گی تو مسئلہ کافی حد تک ٹھیک ہو جائے گا۔''وہ اس کی گھوری سے خائف ہوئی۔

اس نے ناک چڑھا کر ناک میں کہا۔''چند ہفتے.....لیکن پانچ دن بعد میرے یوٹیوب چینل کی سالگرہ ہے۔پورا ایک سال ہونے والا ہے اسے۔مجھے یہ گانا اسی دن ریلیز کرنا ہے۔''

Sumaira Hameed:Author

میراں نے منہ بنالیا۔اب جس جگہ موسیقی کے ساتھ ایسے بھدے مذاق ہونے لگیں گے وہاں اور بچے گا ہی کیا۔یعنی جس کا دل چاہے گا اٹھ کر گانا گانے لگے گا۔نہ اپنی عمر دیکھے گا نہ سر تال۔یوٹیوب چینل کی برتھ ڈے منائی جائے گی تو وہ بھی موسیقی کا ناک مروڑ کر۔

''اگر یہ گانا ہٹ ہو گیا تو ہو سکتا ہے میں سنگر ہی بن جاؤں......'' کوئین صاحبہ کہہ رہی تھیں۔

''سنگر بننے کے لیے تھوڑا سریلا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے مس کوئین۔'' وہ اس کے ارادوں سے خوفزدہ ہو گئی تھی کہ اگر واقعی میں وہ پکی والی سنگر بن گئی تو......تو یا اللہ مجھے موت دے دینا......

''سریلا......وہ کیا ہوتا ہے......لوگ تو کہتے ہیں میری آواز بہت اچھی ہے......''

''اچھی آواز اور سریلی آواز میں بہت فرق ہوتا ہے۔سریلی کا مطلب ہوتا ہے 'سر والی۔جو سر میں ہو۔اچھی آواز اسے کہتے ہیں جو سننے میں اچھی لگے۔ضروری نہیں کہ اچھی آواز 'سر'' میں بھی ہو۔ویسے تمہیں ''سات سروں'' کے بارے میں معلوم ہے کسے کہتے ہیں؟؟''

وہ بس یہ کوشش کر رہی تھی کہ لڑکی سنگر بننے کا خواب چھوڑ دے۔ایک آدھ گانا گا لے لیکن سیریس نہ ہو۔

لڑکی نے منہ بنالیا۔''سر......مائی فٹ......مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے یوٹیوب چینل کے بیس لاکھ سبکرائبر ہیں۔میں صبح اٹھ کر دانت برش کرنے کی ویڈیو بھی اپ لوڈ کر دیتی ہوں نا تو دس گھنٹے کے اندر اندر کم سے کم نو لاکھ لوگ دیکھتے ہیں۔ایک بار میں نے گندی جرابوں کو ٹشو میں فولڈ کر کے اپنے بھائی کے منہ میں ٹھونسنے کا پرانک کیا تھا۔میری یہ ویڈیو ٹرینڈنگ میں گئی تھی۔کچھ سمجھ میں آیا......''

''ہاں! سب سمجھ میں آ گیا ہے کہ تم نے اب تک بس ایسے گھٹیا' فضول' اور واہیات کام ہی کیے ہیں۔یہ گانا بھی ان میں سے ایک بننے والا ہے۔میں اس گانے کے ساتھ اپنا نام جوڑ کر خود کو خود ہی ذلیل اور رسوا نہیں کر سکتی۔جگ ہنسائی کے لیے مجھے یہ ذریعہ منظور نہیں ہے۔''

اس نے حیرت سے اسے دیکھ کر منہ بنایا۔لمبی ہیل والا چھوٹا پاؤں گھمایا اور اُٹھ کر چلی گئی۔

''یار میراں! کیا کر رہی ہو۔کیوں میرا بزنس بند کروانا چاہتی ہو۔کوئی ناک سے گاتا ہے یا دانت سے۔تمہیں اس سے کیا؟'' تیس منٹ بعد ہی بہرام کی کال اسے آئی۔

''وہ میری دھن کا ستیاناس مار رہی تھی۔اتنا سا مشورہ دیا تھا کہ تھوڑی سی مشق کر لو۔''

''وہ کیوں کرے مشق؟ ہمیں تو پورے پیسے دے رہی ہے نا وہ......''

''فن سے انصاف بھی کوئی چیز ہوتی ہے بہرام!''

''انصاف؟؟ میراں پلیز ایسی مزاحیہ باتیں نہ کیا کرو۔ٹھیک طرح سے بلکہ ڈھیٹ بن کر کام کرو۔میں اسے واپس بھیج رہا ہوں۔ گانا ریکارڈ کروا دو اس کا......بھیج دوں اسے......؟؟''

''ہاں! بھیج دو اس چڑیل کو......'' اس نے جل کر فون کو سائیڈ پر پٹخا۔

☆ ☆ ☆

Sumaira Hameed:Author

یہ اس کی خوش قسمتی تھی یا بد قسمتی کہ جو دھنیں اس نے بیکار سمجھ کر دی تھیں، وہ دھنیں تھوڑی سی ہٹ ہو گئیں تھیں۔ اگر یہی دھنیں وہ گا لیتی تو مجال ہے جو ہٹ کی حد کو ذرا سا بھی چھو لیتیں۔ یہی فرق ہوتا ہے بڑی کمپنی کے ساتھ کام کرنے میں۔ بہرام کی پروموشن ٹیم کام ہی ایسے کرتی تھی کہ واقعی میں بے سروں کی عید ہو گئی تھی۔

''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ دھنیں ہٹ ہو جائیں گی تو میں انہیں سلور میں سیل کرتا۔ لیکن اینی وے اب کیا ہو سکتا ہے۔ آئندہ خیال رکھنا۔ کاپر میں ایسی ہٹ دھنیں نہ دینا۔'' بہرام اسے افسوس دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تم ہر وقت پیسے کے بارے میں سوچتے رہتے ہو.....؟'' اسٹول کو گھما کر وہ اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''صرف میں نہیں، ہم سب صرف پیسے کے بارے میں سوچتے ہیں۔ ہم شہرت اور کامیابی بھی اس لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں تا کہ ہماری قیمت بڑھ جائے۔ اس زمین کا ہر انسان اپنی قیمت بڑھانے میں لگا ہوا ہے.....''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا..... میراں پہلی بار اس کی کسی بات سے اتفاق کر رہی تھی.....

''اگر میں تمہیں ڈائمنڈ دھن دوں تو کیا تم مجھے اس دھن کے ساتھ لاونچ کرو گے؟؟ ہٹ ہونے والے سنگرز تمہیں اپنی ان کم کا چالیس فیصد دیتے ہیں میں ساٹھ فیصد دوں گی..... بولو..... منظور ہے.....''

بہرام نے اپنی ٹھوڑی کھجائی اور غور سے اسے دیکھا۔ ''منظور ہے۔ اگر سچی سنگر ہو تو وعدے سے مکر نہ جانا۔ سنا ہے سچا سنگر جھوٹ بولے تو اس کے سر بے سرے ہو جاتے ہیں۔''

میراں نے طنزیہ اس کی طرف دیکھا۔ ''سچے سنگر کے بارے میں اتنا ہی جانتے ہو تو اس کے ساتھ کام کرتے ہوئے موت کیوں پڑتی ہے.....؟''

''تم ایک خیالی دنیا میں رہتی ہو میراں! تم کچھ نہیں جانتیں۔ سچے انسان کی کہیں کوئی مانگ نہیں ہوتی۔ کم سے کم یہاں تو بالکل نہیں ہے۔ پچھلے سال تم نے اپنے چینل پر جو گانا ریلیز کیا تھا، بہت پیارا گانا تھا وہ۔ لیکن ایک سال گزرنے کے بعد بھی اسے کتنے لوگوں نے سنا؟؟ صرف ایک لاکھ چار ہزار لوگوں نے۔ ایک آدھ ایب نے اس پر ٹون بنائی۔ چند ایک اخباروں نے اس کا ذکر اپنی چھوٹی سی خبر میں کیا۔ نئے سنگرز پر ایک انگلش میگزین نے فیچر لکھا اور تمہیں بھی تھوڑی سی جگہ دے دی۔ چند ہفتے ریڈیو سے نشر ہوتا رہا۔ کچھ میوزک چینلز نے آن ایئر کیا..... بس..... اگر وہی گانا میرے پاس ہوتا، تو میں دھوم مچا دیتا۔ وہ گولڈن ٹون میں آرام سے نکل جاتا۔ اس گانے پر سنگر کو اتنے کنسرٹ ملتے کہ وہ تین مہینے کے اندر اندر تمہارے اس ڈربے جیسے گھر سے بڑا گھر خرید لیتا۔ ہم کچھ غیر ملکی موزیشنز کے ساتھ بھی کام کرتے ہیں۔ انہیں اپنی دھنیں بھجوا دیتے ہیں، اوکے ہونے پر منہ مانگی قیمت پر انہیں سیل کر دیتے ہیں۔ تمہاری وہ دھن بھی وہی دھن تھی۔ لیکن دیکھ لو تم نے اسے ضائع کر دیا۔ ہمیں دے دی ہوتی تو چند لاکھ کما لیتیں۔''

''اور تم کتنا کما لیتے.....؟؟'' وہ سب سچ کہہ رہا تھا۔ دھن بہت منفرد تھی پھر بھی گانا ہٹ نہیں ہوا تھا۔ وہ میوزک انڈسٹری کا ڈان ایسے ہی نہیں بن گیا تھا۔ اس کی ایک ایک چیز پر نظر تھی۔

Sumaira Hameed:Author

''میری کمائی کا گراف تمہاری سوچ کے گراف سے کہیں زیادہ ہے۔پھر میراں تم جانتی ہی نہیں کہ گاڈ فادر بننے کا اپنا ہی مزا ہے۔ طاقت سے بڑا کوئی نشہ نہیں ہوتا.....''

''ہونہہ.....تمہیں خود کو ڈان کہنا چاہیے.....تمہیں گارڈ فادر کے نام کو بدنام نہیں کرنا چاہیے۔''

وہ ہنسا۔''تم لوگ نیک نامی اور بدنامی میں ہی الجھے رہتے ہو.....اور دنیا میرے جیسے لوگ فتح کر لیتے ہیں.....کچھ سیکھ لو مجھ سے میراں! شاید تمہارے کام آجائے.....''

''بہت کچھ سیکھ چکی ہوں تم سے۔اسے کام میں بھی ضرور لاؤں گی۔''وہ زیر لب بڑبڑائی۔

وہ بہرام کے اسٹوڈیو میں کام کر رہی ہے'اس بات پر اس پر کافی تنقید کی گئی تھی۔اس کے دوست احباب اس سے ناراض بھی ہوئے تھے۔وہ اسے خبردار بھی کر چکے تھے کہ وہ انسان کسی کا نہیں بنتا' اس کا کیا بنے گا۔لیکن وہ سب سن کر بھی خاموش رہتی تھی۔وہ کیا کرتی۔ میوزک سے محبت کرتی 'یا بہرام جیسے انسان سے نفرت۔یہ اسٹوڈیو اس کی ضرورت تھا۔جیسے تاج محل کی ضرورت سفید سنگ مرر تھا۔ویسے ہی اس کی دھنوں کو اس اسٹوڈیو کے تکنیکی آلات کی ضرورت تھی۔وہ دن بھر اسٹوڈیو کے لیے کام کرتی تھی۔رات کے دو گھنٹے اپنے لیے کام کرتی تھی۔شروع میں اس بات کا بہت برا مانا گیا تھا۔پھر اسٹوڈیو کے اسٹاف کے ساتھ اس کی انڈر سٹینڈنگ ہو گئی تو انہوں نے اسے کچھ کہنا چھوڑ دیا تھا۔اس جیسے مہنگے اسٹوڈیو میں کام کے لیے دو گھنٹے میسر آجانا بھی بہت بڑی نعمت تھی۔

''یار میراں! تم آخر کب سمجھو گی؟ سلو رٹون تم نے کاپر میں نکلا دی.....''بہرام فون پر ناراض ہو رہا تھا۔دس پندرہ منٹ کا لیکچر دے کر فون بند کر چکا تھا۔

اسے اب تک پتا نہیں چل پایا تھا کہ کون سی کاپر' کون سی سلو' اور کون سی گولڈن ٹون ہے۔اپنی فضول اور بے کار ترین دھنیں وہ نکال نکال کر دے رہی تھی۔اور اسی پر وہ کہتے تھے کہ یہ تو سلو رتھی۔اب اسے ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو رہا تھا کہ واقعی میں میوزک انڈسٹری دن بدن کیوں برباد ہوتی جا رہی ہے۔ہر بندہ ''کاپر'' پر کام کر رہا تھا۔جو چیز جتنی گھٹیا تھی وہ اتنی ہی مقبول تھی۔بنانے اور گانے والے' دونوں کو ہی معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔کیا گا اور کیا سن رہے ہیں۔

آج صبح سے ہی وہ واہیات کا آلاپ سن رہی تھی۔اس کا دماغ گھما ہوا تھا۔جو الو پاپ سنگر بننے جا رہا تھا وہ دن بھر ان سب کا دماغ چاٹتا رہا تھا۔اس نے گانے کی لائن کے چھ بول سارا دن کی ریکارڈنگ کے بعد گائے تھے۔ریکارڈنگ سسٹم پر بیٹھے لڑکے اسے زیر لب گالیاں دے رہے تھے۔ہیڈ فون کو کانوں پر چڑھے چڑھے' اس کے دماغ کو بخار چڑھ گیا تھا۔وہ تین بول ٹھیک بول لیتا تھا تو اگلے تین بول پچھلے سے بے سر ہو جاتے تھے۔انہیں پورا دن لگ گیا تھا اور ہاتھ پھر بھی کچھ نہیں آیا تھا۔پانی پی پی کر وہ اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے.....اور پھر بالآخر.....

''اگر میرے پاس اس وقت ڈیڑھ لاکھ ہوتے' تو میں تمہارے منہ پر دے مارتی۔اتنا ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں تھی مجھے۔ گدھے' تم سے یہ چھ لفظ نہیں گائے جا رہے۔اسٹیج پر کسی نے بلا لیا تو کیا کرو گے.....؟؟''میراں چلتی ہوئی اس کے پاس گئی۔

Sumaira Hameed:Author

''لپ سنگ......'' گدھے نے بہت اطمینان سے جواب دیا۔

''جو انڈیا جا کر جسٹن بیبر نے کی تھی......اب تک گالیاں کھا رہا ہے وہ......''

''جو اچھا گاتے ہیں' گالیاں تو وہ بھی کھاتے ہیں۔ میں بھی کھالوں گا۔ گالیاں کوئی گولیاں تھوڑی ہوتی ہیں' جو ٹھا ٹھا لگیں اور بندہ مر جائے۔ میں اس سب کو اتنا سیریس نہیں لیتا۔'' اس نے ہپ ہاپ بوائے کی طرح پانچ انگلیاں لہرا کر' کچھ اچھل کر' زیادہ ناچ کر کہا۔

''وہ نظر آ رہا ہے۔ چھ لفظ گانے میں تم نے پورا دن لے لیا۔ باقی کے ساٹھ لفظ گانے میں کتنا وقت لو گے......؟؟''

''وقت تو بہت ہے میرے پاس......کتنا چاہیے آپ کو؟؟'' ڈھیٹ ہونا آسان نہیں ہوتا۔ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

''واہ......ویسے میوزک کا ستیاناس مارنے پر ہی کیوں تلے ہو......کوئی اور فیلڈ دیکھ لو۔'' وہ بھنا گئی۔

''دھرنوں اور ہڑتالوں نے اکانومی اور **ملک** کے امیج کا ستیاناس مار دیا ہے۔ سیاسیدانوں نے **ملک** کا۔ اگر میں میوزک کا ماروں گا تو ایسا کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا......'' وہ کافی نان سیریس بندہ تھا' لیکن کچھ سیریس باتیں بھی کر لیتا تھا۔

''جتنی تیز زبان چل رہی ہے' اس کے ذرا سے قریب بھی سر چلتے تو تمہارا گانا اب تک ریکارڈ ہو چکا ہوتا۔''

''اب ایک وقت میں ایک ہی چیز چل سکتی ہے......'' وہ سیریس ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اسے بھانڈ بننا تھا' کسی نے اس کا رخ میوزک کی طرف موڑ دیا......غلطی سے ورنہ مذاق میں۔

عاجز آ کر اس نے بہرام کو فون کیا۔

''اس نے دھن کے پیسے الگ دیئے ہیں اور وقت کے الگ سے۔ جتنا بھی وقت لگے گا یہ اس کا الگ سے چارج کرے گا۔''

فون کو کان سے ہٹا کر اس نے حیرت سے ہپ پاپ گدھے کو دیکھا۔ یعنی وہ اتنا پیسہ برباد کر رہا تھا' لیکن گھر بیٹھ کر یا کسی میوزک اکیڈمی میں جا کر کچھ سیکھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ پاپا ٹھیک کہتے تھے اس نسل کا ایک ہی مسئلہ ہے......پیسہ اور شہرت......بیٹھے بٹھائے سب مل جائے بس......ہاتھ پیر نہ ہلانے پڑیں......جان جوکھم میں نہ ڈالنی پڑے۔

رات بارہ بجے وہ گھر واپس آئی تھی۔ اس کی ڈانٹ اور پھٹکار کو اس نے تھوڑا سا سیریس لے لیا تھا' اور آدھا گانا ریکارڈ ہو گیا تھا۔ باقی کا آدھا اسے کل ریکارڈ کروانا تھا۔ وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔ کھانا گرم کر کے لائی تو تھوڑی دیر کے لیے صوفے پر دراز ہو گئی۔ آنکھ کھلی تو دو بج رہے تھے۔ کھانا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ پاپا اسے کمبل اوڑھا رہے تھے۔

''کیوں اتنا خوار ہو رہی ہو......'' وہ محبت سے اس کے سرہانے بیٹھ گئے۔ اس کے بکھرے بال سمیٹنے لگے۔

''کسی کو تو ہونا ہی پڑتا ہے۔ دادا بھی تو ہوتے ہوں گے......'' وہ کچی پکی نیند میں بڑبڑائی۔

''تب زمانے اور تھے......''

''زمانے بدل جاتے ہیں......فن نہیں بدلتا......کبھی فن جوکھم میں ڈالنا پڑتا ہے......کبھی جان' کبھی سانس......''

☆ ☆ ☆

Sumaira Hameed:Author

کبھی جان...... کبھی سانس......

''تم نے کہا تھا تمہیں کچھ سکھا دوں۔ میں نے تمہیں یہ راگ سکھا دیا ہے۔ اب گرو دکشنا میں تمہاری جان لے رہا ہوں...... تمہاری سانس...... تمہارے سارے سر......'' وہ ہنسا۔ گردن کو ہلکا سا جھٹکا دے کر اکڑ لیا۔

''مجھے یہاں آنے کے لیے آپ نے ہی کہا تھا'' اس کی آواز پہلی بار کپکپائی تھی۔

''اچھا...... تو تم نے حکم سمجھ کر مانا یا درخواست جان کر؟؟'' وہ طنز سے ہنس رہا تھا۔

اس کا سانس کھینچ کر وہ مسکرا کیسے سکتا تھا۔ وہ تو گائیک تھا۔ سات سر تھے اس کے اندر۔ وہ حاسد' مکار' چالباز کیسے ہو سکتا تھا۔ گائیک کا دل شفاف نہیں ہوگا تو سر سچے اور خالص کیسے ہوں گے۔ ایسے تو راگ زہریلے ہو جائیں گے۔ اسے اس کمرے تک وہی لایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہاں موجود ہے...... وہ جانتا تھا...... اسی لیے تو ایک سانس رُکا تھا...... تاکہ اس کا سانس پکڑ لے۔ سب کے سامنے اسے پکڑوا دے......

پہلی ملاقات کے بعد ملازم کے ذریعے اس نے اسے مہمان خانے بلوایا تھا۔

''تم مجھ سے سیکھنا چاہتی تھی......'' اس کی آواز بہت نرم تھی۔

مہر نے بڑا خوش ہو کر ہاں میں سر ہلایا...... ''جی......''

''آج رات نواب سراج کے یہاں محفل ہے۔ وہاں آجانا۔''

''میں وہاں...... لیکن آپ نے کہا تھا آپ الگ سے مجھ سنا دیں گے۔''

''کل میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ جانا بہت ضروری ہے۔ جو ہے وہ آج ہی ہے......''

مہر تذبذب کا شکار تھی۔ ''خالو کو معلوم ہو گیا تو وہ بہت ناراض ہوں گے۔ بہت سختی کریں گے وہ ہم سب پر۔''

''جس دل میں خوف ہوتا ہے' اس دل کی آواز میں سر نہیں رہتے۔'' زیام نے گردن کو اکڑ کر کہا۔ مہر نے بہت شرمندگی محسوس کی۔ یہی بات اسے میاں غلام علی نے کہی تھی۔ سب سچے استاد یہی کہہ رہے تھے۔

''میں بزدل نہیں ہوں لیکن......''

''پھر آجاؤ۔ مجھے سن لینا۔ وہ میری محفل ہے نواب کی نہیں۔ وہاں جتنے لوگ شریک ہوں گے' سب میری اجازت سے ہوں گے۔ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ نواب سراج بھی نہیں۔''

وہ خوش ہو گئی اور سر ہلا دیا۔ آ کر نواب بیگم سے کہا تو انہوں نے کچھ دیر غور کیا۔

''اگر انہوں نے زبان دے دی ہے تو ٹھیک ہے مہر! نواب تو ویسے ہی ان گائیکوں کے دم پر مرتے ہیں۔ کیا مجال ہے ان کی جو اس زیام منصور کی کسی بات کو رد کر سکیں۔ بلکہ اگر وہ یہ کہہ دیں کہ محفل میں محل کی عورتوں کو بھی شامل کیا جائے تو سراج انکار نہیں کر سکیں گے۔''

نواب بیگم' اور خالہ ماں نے زیام منصور پر یقین رکھ کر اسے بھیج دیا تھا...... لیکن کوئی نہیں جانتا تھا...... کوئی بھی نہیں......

Sumaira Hameed:Author

مہر نے لپک کر زیام کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی جو بہت بے نیازی سے مہمان خانے کی سمت جا رہا تھا۔

''جس کے اندر فن ہوتا ہے اس کے اندر ''ڈنگ'' نہیں ہوتا۔اگر تم نے یہ وار چلنے دیا تو یاد رکھنا' سارا فن گندی نالی میں بہنا پسند کرے گا' تمہارے اندر رہنا نہیں۔'' خوف تو اب ختم ہوا تھا۔مہر نے پورے آن بان شان سے زیام سے بات کی۔آپ کی بجائے تم سے۔

ملازم نے لپک کر اس کا ہاتھ کھینچا اور کوٹھری کی سمت گھسیٹ کر لے جانے لگا۔مہر گردن موڑے زیام منصور کو دیکھ رہی تھی۔وہ دیکھ رہی تھی کہ جس کے اندر سے ایسے راگ نکلیں' اس کی زبان سے ایسے الفاظ نہیں نکل سکتے۔اس نے اس حقیقت کو جھوٹ پایا کہ جس کا من صاف ہوتا ہے' سر تال اس پر مہربان ہوتے ہیں۔اس نے اس حقیقت کو سچ پایا کہ ریاضیت سے کچھ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے' کسی کی سانسیں بھی۔مہر پچھتائی......اس لیے نہیں کہ اسے زہر کا پیالہ پینا ہوگا۔صرف اس لیے کہ اس نے ایسے استاد کے راگ سن لیے تھے' جو خزانے پر کنڈلی مارے بیٹھے زہریلے سانپ سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔

اس نے ایسے انسان کو گرو آزمائش اور احترام دیا تھا جو اس لائق ہی نہیں تھا۔وہ گرو دکشنا میں اس کی جان لے رہا تھا۔وہ گرو کی اصلیت کو چاک کر کے' اس کا نام لے لے گی......

☆ ☆ ☆

مور محل میں کہرام برپا ہو چکا تھا۔نواب بیگم نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔نواب کو پیغام پر پیغام بھجوائے جا رہے تھے۔

''میں نے کہا تھا جس کی آواز باہر نکلی' اس کی قبر اندر بنے گی......'' نواب اپنی مرضی سے ہی آئے۔بہت اطمینان سے کہا۔

''ہم سب کی قبریں بنیں گی۔یہ کہا تھا۔مجھ سے شروع کریں۔میں نے اپنا کفن تیار کر لیا ہے۔''

''آپ کے جذباتی پن کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی! چلیں معاف کیا۔دوبارہ یہ غلطی مت کیجئے گا۔'' نواب نے لفظوں کو چبا کر کہا۔وہ جانتے تھے اب دوبارہ ایسی حکم عدولیاں کبھی نہیں ہوں گی۔اس مثال کو ایسی دھاک سے بٹھا رہے تھے کہ آنے والی سات نسلیں ڈریں گی۔

''ایک راگ کے لیے اس کی جان لے رہے ہیں۔'' ان کی آواز میں بہت کمزور پڑ گئی تھی۔

''راگ کے لیے نہیں۔زبان کے لیے۔میں اپنی ناک نہیں کٹوا سکتا۔''

''تو اپنی گردن کٹوا دیں......'' ان کا جلال لوٹ آیا تھا۔آواز طبل کی طرح بج رہی تھی۔

نواب سن ہو کر رہ گئے۔''میں ہر بار آپ کو معاف نہیں کروں گا۔میرے ایک اشارے پر آپ کے ساتھ بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔''

''تو وہ سارے اشارے کر دیں......میں کہتی ہوں کر دیں......میں مہر کے ساتھ یہ نہیں ہونے دوں گی۔''

''آپ کیا چاہتی ہیں اس سے مجھے فرق نہیں پڑے گا۔ہو گا وہی جو میں چاہتا ہوں......'' ان کا انداز دو ٹوک تھا۔

نواب بیگم نے بے یقینی سے ظالم نواب اور پتھر دل شوہر کو دیکھا۔''نہ وہ مردوں کی محفلوں میں گاتی تھی۔نا چوک چوباروں میں نکل کر داد لینا چاہتی تھی۔وہ ہمارے لیے گاتی تھی۔محل کی چاردیواری میں......اس پر ایسی سزا......بہت اچھا ہوا جو گورا آپ پر آقا بن کر بیٹھ گیا۔جب آپ جیسے طاقت ور اپنی طاقت کا غلط استعمال کرنے لگتے ہیں تو اوپر والا کسی اور کو آپ سے زیادہ طاقت دے کر حکومت کرنے

Sumaira Hameed:Author

کے لیے بھیج دیتا ہے۔آپ جیسوں کو سیدھا کرنے کے لیے۔جس ملک پر اتراتے تھے' پہلے تو وہ گیا ناہاتھ سے۔اب جس ریاست' جس رعایا اور جاہ وجلال پر اترا رہیں ہیں وہ بھی جائے گی۔سب خاک ہو جائے گا۔آنے والی نسلیں تھوکیں گی۔قبروں کے نشان تک نہیں ملیں گے......''وہ بلند آواز میں چلا رہی تھیں۔

''گورے کی بہت حمایت کرتی ہیں آپ......''ان کے چلانے سے وہ محظوظ ہو رہے تھے۔

''اپنے زمیندار دوست کے قاتل بیٹے کے لیے جوتیاں اور ناک دونوں رگڑی تھیں آپ نے۔پھر بھی گورے جج نے کسان لڑکے کا قتل کرنے پر زمیندار کے بیٹے کو پھانسی چڑھا دیا......بچیں گے آپ بھی نہیں......''

نواب نے کھینچ کر تھپڑ نواب بیگم کے منہ پر مارا۔سارا مور محل گونج اٹھا۔ساری عورتیں سہم کر رونے لگیں۔

''جس عورت کی آواز یہاں سے باہر گئی' اس کی لاش دریا میں پھنکوا دوں گا۔''نواب نے چلا کر کہا۔

''ہم لاشیں ہی ہیں۔جب چاہے پھنکوا دیں۔''بوا نے پہلی بار اپنے نواب بھتیجے کے سامنے آواز بلند کی

نواب رکے' طنزیہ ہنسے اور چلے گئے......یہ عورتیں اور ان کا بھڑکنا......ہونہہ......

☆ ☆ ☆

دن اپنا اجالا سمیٹ رہا تھا......اس کی زندگی بھی اپنا سفر سمیٹ رہی تھی......

مور محل کے سب پھاٹک بند کر دیئے گئے تھے۔نا کوئی اندر جا سکتا تھا نا باہر آ سکتا تھا۔نواب کی بلا سے وہ سب اندر دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر جائیں یا بلندیوں سے کود کر۔

''مور محل سے کسی کو ملنے کے لیے نہیں بلایا جا سکتا۔''ملازم اس سے آخری خواہش پوچھنے آیا تھا۔

مہر نے گہری سانس لی۔''دریا کنارے بنجارے رہتے ہیں۔میں کسی بنجارن سے ملنا چاہتی ہوں۔''

ملازم چپ چاپ سن کر چلا گیا۔ایک پہر گزرا تو وہ بنجارن کو ساتھ لے آیا۔خوف سے بنجارن کا رنگ زرد پڑ چکا تھا کہ اسے ایسے کیوں بلایا گیا وہ بھی محل کی کوٹھڑی میں۔

''آنے کے لیے شکریہ۔تم بنجارے ہو اور تمہارے گیت بھی۔دونوں ہی کسی کی قید میں نہیں رہتے۔میرے گیت کو بھی بنجارہ بنا دو۔''کہہ کر وہ رو دی۔

دن ڈھل کر شام سے جا ملا......

زیام نے اپنے غرور کا ایک اور مظاہرہ کرنا ضروری سمجھا۔وہ اس کے پاس آیا۔اس کی بے چارگی کا تماشا دیکھ کر خوش ہوا۔

''مجھ سے حسد تمہیں زیب نہیں دیتا۔''مہر نے اسے زیادہ دیر تک خوش نہیں رہنے دیا۔

''حسد اور تم سے......ہونہہ......کس لیے......''جیسے اس کے سینے میں ایک تیر پیوست ہوا۔

''تم جانتے ہو کس لیے......میرا ''سا'' ایک طرف اور تمہاری پوری گائیکی ایک طرف۔میرے ایک سر نے تمہارے سارے سرمایا

Sumaira Hameed:Author

میٹ کر دیئے۔ ''سا'' نے تمہاری سانس روک دی تھی۔تم جان گئے کہ میں استادوں کی استاد ہوں۔یہاں کھڑے رہو میں تمہیں بتاتی ہوں کہ تمہارے اس راگ زیام میں کہاں کہاں' کتنے نقص ہیں۔جس سر کو تیور ہو کر اندولن میں ڈھلنا تھا۔تم نے انہیں اندولن میں سیدھے سیدھے دھکیل دیا۔آلاپ پر کئی جگہ گرہ لگی ہے'اور......

زیام کا منہ سرخ ہو گیا''جن سروں نے تمہاری جان لے لی'ابھی بھی انہی کی بات کر رہی ہو......''

''سروں نے میری جان نہیں لی۔تمہارا بغض اور غرور لے رہا ہے۔مجھے سننے سے پہلے تک تم اس گمان میں تھے کہ کوئی تم سے اچھا نہیں گا سکتا۔مجھ سے مل کر تمہارا یہ غرور ٹوٹ گیا۔''

''چلو ایسے ہی سہی......تو پھر موت مبارک ہو......''

''تمہیں بھی گمنامی مبارک ہو۔کسی کو یاد بھی نہیں رہے گا کہ کوئی گائیک زیام منصور ہوا کرتا تھا۔''وہ ہنس دی۔

اس کی ہنسی نے زیام کو آگ لگا دی۔وہ اندھیری کوٹھڑی میں بند تھی پھر بھی۔وہ قدم بڑھا کر اس کے قریب آیا۔''تم موت کے کنارے کھڑی ہو......یہ شام تمہاری زندگی کی آخری شام ہے......''

''یہ شام تمہاری گائیکی کی آخری شام ہے۔اب نہ داد ملے گی' نہ محفلیں لگیں گی۔جس راگ پر تمہیں غرور ہے'وہ راگ ہر کان سنے گا۔جس راگ کے لیے میری سانس لے رہے ہو'وہ راگ ہر زبان گائے گی۔یہ اس راگ کے تمہارے نام رہنے کی آخری شام ہے......''

زیام چونکا لیکن چھپا گیا۔''تمہاری زندگی کے لمحے محدود ہو چکے ہیں۔''

''تم میری زندگی کی فکر نہ کرو۔میری اس زندگی کی جھلک کسی نہ کسی گیت' ٹپے' ماہیے' ٹھمری' میں زندہ رہے گی۔میرا نام' خوشی کے گیتوں' اور امن کے ترانوں میں گونجتا رہے گا۔مہر راگ ہر زبان پر رہے گا' ہر ساعت تک جائے گا۔تم کس کس کو موت کی نیند سلاؤ گے۔حسد کا ڈنگ کتنا بھی زہریلا ہو' انصاف کا تریاق اسے بے بس کر دیتا ہے۔وقت انصاف کر دے گا۔میری سانسیں زہر نچوڑ لے گا لیکن میرے سر وقت سمیٹ لے گا......اور پھر یہ وقت مجھے بہت دُور تک لے جائے گا۔''

وقت اسے بہت دُور تک لے جانے والا تھا......

☆ ☆ ☆

ایک راگ کے لیے ایک لڑکی کی جان لے کر' نواب سراج انار رس پیتے ہوئے' عظیم گائیک زیام منصور کے ساتھ باغ میں چہل قدمی کر رہے تھے۔وہ بے چارے شرمندہ تھے کہ اس رات محفل میں ایک معمولی سی لڑکی کی وجہ سے اتنی بدمزگی ہوئی۔زیام منصور کا مزاج برہم ہوا۔انہوں نے دل برا کیا۔

''اگر آپ فوراً یہاں سے چلے گئے تو لوگ کہیں گے کہ آپ ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں۔دس' پندرہ دن اور رک جائیں۔''

زیام منصور نے کچھ دیر رک کر سوچا اور ہاں میں سر ہلا دیا۔وہ مسکرا بھی دیا۔

''وعدہ کریں کہ آپ جہاں بھی جائیں گے اس بات کا ذکر ضرور کریں گے کہ میں زبان کا پکا اور ارادے کا اٹل ہوں۔میں نے آپ

Sumaira Hameed:Author

کی عزت میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔''

''اس میں تو کوئی شک ہی نہیں رہ گیا نواب صاحب.....'' وہ مسکرا دیا۔

وہ مزید پندرہ دنوں کے لیے وہاں مہمان بن کر ٹھہر گیا۔اس دن وہ چہل قدمی کے لیے محل سے باہر دریا تک گیا تھا۔ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔اسے کچھ دُور سے بہت پیاری آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔اس کے مزاج پر بہت اچھا اثر پڑ رہا تھا۔وہ قدم بڑھتا ہوا آوازوں کے قریب جا رہا تھا۔اور جیسے جیسے قریب جا رہا تھا اس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا.....

دریا کے کنارے ادھر ادھر ٹولیوں میں بکھری بنجارنیں راگ گا رہی تھی.....اس کا راگ.....لیکن جیسے سونا ڈھل کر نکھر جاتا ہے' ویسے ہی وہ راگ بھی نکھر انکھرا تھا.....بدلا ہوا اور نیا.....لیکن تھا اسی کا راگ.....وہ سات بنجارنوں کی ٹولی کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

''یہ.....یہ جو تم گا رہی ہو.....یہ.....کہاں سنا تم نے۔کیا ہے یہ؟'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔پیر زمین میں دھنستے جا رہے تھے۔

عورتوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ادھر ادھر بکھری ٹولیاں بدستور گا رہی تھیں۔بچے اور کچھ مرد بھی ساتھ دے رہے تھے۔وہ سب میلے پر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔اپنا سامان وغیرہ باندھ رہے تھے۔

ایک بنجارن نے ہاتھ اٹھا کر محل کی طرف اشارہ کیا۔''وہاں کی ایک کوٹھری سے۔ہم تو اسے راگنی مہراں کہتے ہیں۔میلے میں جا کر گائیں گے۔''

زیام کے قدم لڑکھڑا گئے۔دریا کا سارا پانی اسے گدلا نظر آنے لگا۔آسمان کی چھت لرزنے لگی۔''راگنی مہراں.....'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔جس راگ کے سننے والے کے کانوں میں سیسہ اور زبان پر کاٹ چاہیے تھی' وہ راگ سر عام بنجارے گا کر سب کو سنا رہے تھے۔

''میری اس زندگی کی جھلک کسی نہ کسی گیت' ٹپے' ماہیے' ٹھمری' میں زندہ رہے گی۔میرا نام' خوشی کے گیتوں' اور امن کے ترانوں میں گونجتا رہے گا۔مہر راگ ہر زبان پر رہے گا' ہر ساعت تک جائے گا۔تم کس کس کو موت کی نیند سلاؤ گے؟''

☆ ☆ ☆

راگ مہراں.....

''جب میں نے ان کے منہ سے یہ راگ سنا تو حیران رہ گیا تھا۔وہ حیران کن راگ تھا۔گائیکی کی سمجھ بوجھ رکھنے والا کوئی بھی انسان اس راگ کو سن کر دم بخود رہ سکتا ہے۔میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ یہ راگ ان کے بڑوں سے چلتا ان تک آیا ہے۔یہ دریا کنارے بنے محل میں رہنے والی ایک لڑکی مہر کا راگ تھا۔جسے اس راگ کی وجہ سے زہر کا پیالہ پینا پڑا تھا۔مرنے سے پہلے اس نے یہ راگ ایک بنجارن کو سکھا دیا تھا۔اس لیے بھی یہ راگ بہت مقبول ہوا تھا۔دیکھتے ہی دیکھتے یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی کہ ایک راگ کے لیے لڑکی کی سانسیں لے گئیں۔ہر کوئی یہ راگ سننا چاہتا تھا۔مہر راگ بنجاروں کو کچھ ایسا راس آیا تھا کہ انہوں نے اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔اس سے گیت بنائے' ترانے گنگنائے' ٹپے اور ماہیے گائے۔خوشی کے' ساون کے' آزادی کے۔جہاں جہاں راگ گیا وہاں وہاں اسے نیا نام ملا۔مہراں' مہریہ' مہرماں' مہرو' ماہیے' گیت'۔راگ کا آلاپ دل ٹھہر دیتا ہے۔آزادی اور سکون کی امنگ پیدا کرتا ہے۔یہ راگ دل کی

Sumaira Hameed:Author

خوشی اور بے خودی کا راگ ہے۔ اُمید اور متوالے پن کا۔''

میراں اپنے دادا کی یادداشتیں پڑھ رہی تھی۔ یہ چھوٹے بڑے ہر سائز کے صفحات پر مشتمل پلندہ تھا۔ یہ کاغذات وہ پہلے بھی پڑھ چکی تھی لیکن تب وہ اتنی سمجھدار نہیں تھی۔ وہ اپنی ایک پرانی ڈائری ڈھونڈ رہی تھی' جس میں اس نے کچھ دھنیں لکھی تھیں۔ ڈائری تو ملی نہیں تھی' یہ فائل مل گئی تھی۔ پاپا ان یاداشتوں پر ایک کتاب شائع کرنا چاہتے تھے۔ پھر یہ سوچ کر کہ جب بڑے بڑے عظیم گائیکوں کے جینے مرنے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑ رہا تو اس کتاب سے کیا پڑے گا۔ کوئی اسے کیوں پڑھنا چاہے گا۔ انہوں نے ارادہ ترک کر دیا تھا۔

''مہراں......مہر......'' وہ اس راگ کو پڑھ رہی تھی۔

بہرام کے اسٹوڈیو میں مسلسل نو مہینے دھنوں پر کام کرنے کے بعد وہ میوزک کو پہلے سے زیادہ سمجھنے لگی تھی۔ وہ شارپ ہو چکی تھی۔ اچھے آلات کے ساتھ کام کرنے سے یہی ہوتا ہے۔ انسان وقت سے پہلے بہت کچھ سیکھ جاتا ہے۔ اس نے راگ کو پڑھنا شروع کیا۔ درباری راگ وہ راگ ہے جس میں سب سے زیادہ گیت گائے جاتے ہیں۔ یہ راگ آج بھی اتنا ہی مقبول ہے جتنا پہلی بار گانے سے ہوا تھا۔ اب یہ راگ مہراں تھا جس سے نکلے کم و پیش بیس گانے دادا نے لکھے ہوئے تھے۔ کچھ لوریاں اور کچھ ماہیے۔

دو تین دن تک وہ راگ پر اچھی طرح سے غور کرتی رہی۔ پھر اس نے اسی راگ سے اپنے لیے دھن بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے بھی اُمید' امنگ' آزادی اور متوالے پن کی ایک دھن چاہیے تھی۔ ڈپریشن کے اس دور میں بے خودی' اور خوش اُمیدی کا داؤ ہی چل سکتا تھا۔

پہلے وہ رات کو دو گھنٹے اسٹوڈیو میں اپنے لیے کام کرتی تھی۔ اب وہ تین چار گھنٹے کرنے لگی تھی۔ جنید جو اسٹوڈیو کا ہیڈ باس تھا' اس نے اسے اسٹوڈیو کی چابی دے دی تھی۔ وہ جب تک چاہے کام کر سکتی تھی۔ باہر ایک گارڈ موجود رہتا تھا۔ وہ گھر کے ماحول کی طرح وہاں کام کرتی رہتی تھی......

وہ جیسے جیسے راگ میں سے دھن نکال رہی تھی' ویسے ویسے بے خود ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا دل منفی جذبوں سے صاف ہو رہا تھا۔ لالچ' حسد' غصہ' طیش اس سے دُور بھاگ رہے تھے۔ دادا کی یاداشتوں میں لکھا تھا کہ سچے راگ اپنا اثر رکھتے ہیں۔ تو کیا اس پر بھی مہراں کا اثر ہو رہا تھا۔ وہ خود بھی حیران تھی کہ یہ سب کیسے ہو رہا ہے۔ اس کے دل سے ہر طرح کا خوف کیسے مٹ رہا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس راگ نے اس لڑکی کی جان کیسے لی تھی۔ لیکن وہ یہ ضرور محسوس کر رہی تھی کہ اس راگ کو پوری شدت سے کامل کیا گیا تھا کہ فن کار نے اپنی جان کھینچ کر سروں میں بھر دی تھی۔

اسے بھی ایک ایسی ہی دھن چاہیے تھی جو جی اٹھے۔ جو کھلی اور مرجھائی ہوئی نا ہو۔

اس کا رات کو کام کا دورانیہ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ ہر طرف سے بیگانہ ہو کر کام کرنے لگی تھی۔ اس کی نیند' اس کے خواب سب ''مہر مہراں'' ہو چکے تھے۔ اسے ہر طرف دکھائی بھی یہی دے رہی تھی' اور سنائی بھی۔

''تمہاری ایک اور کارٹون ہٹ ہو گئی ہے۔'' بہرام اس کا بونس لے کر آیا تھا۔

اس نے بونس لے کر مسکرا کر شکریہ کہا۔

Sumaira Hameed:Author

''اب ڈائمنڈ ٹون کب دے رہی ہو.....؟؟''

''جیسے ہیرا ایک لمبے عمل کے بعد ہیرا بنتا ہے' ایسے ہی دھنیں بھی بنتی ہیں۔ طے کیے بغیر۔ بے ساختہ۔ بے خودی میں۔''

''کیا بات کی ہے.....تو بے ساختگی سے طے کرلو۔اور بے خودی میں بنا ڈالو.....''اس سے شاید اب انتظار نہیں ہو رہا تھا۔

''دس نئے بے سرے تم نے میرے پاس بھیجے ہیں' انہیں پہلے پاپ' راک' ریپ سنگر نہ بنا دوں؟''

اس نے قہقہہ لگایا۔''تم نئے سنگرز پر سختی کرتی ہو' پھر وہ بھی خاص طور پر تمہارے پاس ہی آتے ہیں۔شاید انہیں لگتا ہے کہ تمہاری زبان کی کاٹ سے' ان کے گانوں میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔اینی وے! کام جاری رکھو' جلد ہی ہم دوبارہ ملیں گے۔''بہرام نے اس کے شانے پر تھپکی دی۔اس نے اپنا شانہ دیکھا اور پھر بہرام کو اور آنکھیں پھیر لیں۔

بہرام نے اپنی آنکھیں نہیں پھیری تھیں۔اپنی کان کی بالی کو چھوتے ہوئے' وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

پورے تین مہینے وہ اس دھن پر کام کرتی رہی تھی۔ایک رات وہ آٹھ بجے سے شروع ہوئی تھی اور فارغ ہو کر اس نے سر اٹھایا تھا تو صبح کے پانچ بج چکے تھے۔اسے حیرت ہوئی۔اسے لگا وال کلاک خراب ہو چکا ہے۔اس نے تو یہی کوئی دو تین گھنٹے کام کیا تھا.....بس۔اتنا وقت کیسے گزر گیا تھا۔وہ اٹھ کر باہر آئی تو گارڈ تو صوفے پر کمبل میں خراٹے لے رہا تھا۔لیکن اس کے پاپا موبائل پر اخبار پڑھ رہے تھے۔وہ حیران بھی ہوئی اور چونک بھی گئی۔

''آپ.....یہاں.....کب آئے.....؟؟''

''رات گیارہ بجے ہی آ گیا تھا۔سوچا دیکھ کر آؤں تم اتنی اتنی دیر تک کیا کام کرتی رہتی ہو۔''اٹھ کر انہوں نے اسے سینے سے لگایا۔''میرا بیٹا.....''

''گیارہ بجے.....تو اندر اسٹوڈیو میں آ جاتے.....''

''آیا تھا۔گیارہ بجے ہی اندر آیا تھا۔دروازہ کھول کر تمہیں دیکھا تو تم آس پاس سے انجان' بے خود ہو کر کام کر رہی تھیں۔تمہیں میرے آنے کا بھی پتا نہیں چلا تھا۔میں پورے بیس منٹ تک چپ چاپ پیچھے کرسی پر بیٹھا رہا تھا۔پھر اٹھ کر باہر آ گیا.....مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ تم ایسے بھی کام کر سکتی ہو۔''میں بہت خوش ہوں میراں!''

''تو اب میں سچی والی فنکار بن چکی ہوں؟''اس نے لاڈ سے پوچھا۔

''تم پہلی بھی سچی ہی تھی لیکن لالچی بھی تھیں۔اب بھی لالچی ہو' لیکن اپنی دھن کی پرفیکشن کے لیے۔''

''میری دھن کیسی لگی آپ کو؟''

''جتنی میں نے سنی ہے' اتنی سن کر ہی مجھے تم پر فخر ہونے لگا ہے۔تم نے کمال کر دیا ہے۔''

''مکمل سنیں گے تو دیوانے ہو جائیں گے.....''

Sumaira Hameed:Author

''پھر مجھے کبھی مکمل نہ سنوانا۔ میں دیوانہ نہیں ہونا چاہتا۔'' وہ ہنسے۔

فی الحال اس کی دھن تقریباً مکمل تھی۔ یہ دھن اس نے شہرت اور پیسے کے لیے نہیں بنائی تھی۔ یہ دھن اس نے بے خود ہو کر بنائی تھی۔ اپنے لیے۔ اپنے فن کی سربلندی کے لیے۔

آج سال کا آخری دن تھا۔ ٹھنڈ کی شدت بڑھ گئی تھی۔ دھند بھی بہت تھی۔ شام پانچ بجے تک وہ ایک نئے سنگر کے ساتھ مل کر اس کا گانا ریکارڈ کرواتی رہی تھی۔ چھ بجے اسٹوڈیو بند ہو گیا تھا۔ صرف وہ تین لوگ اسٹوڈیو کے اندر تھے۔ ایک وہ، دو سسٹم آپریٹر۔ وہ ہیڈ فون پہن کر ریکارڈنگ روم میں آ گئی۔ آج وہ اپنی دھن، اپنا گانا ریکارڈ کروانے والی تھی۔

اس نے دھن پر جتنا بھی کام کیا تھا، اسے ٹکڑے ٹکڑے ہی رہنے دیا تھا۔ ان فیکٹ اس نے اس دھن پر تین چار طرح سے کام کیا تھا۔ اب صرف وہی جانتی تھی کہ کس ٹکڑے نے کہاں جڑنا ہے۔ کوئی اور ان ٹکڑوں کو سنتا تو کنفیوز ہو جاتا ہے۔ اس نے ملتی جلتی ایک جیسی اتنی دھنیں بنالی تھیں کہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ کون سی والی اصل میں اصل ہے۔ یعنی اس نے ایک پزل بنا لیا تھا۔ اب صرف وہی جانتی تھی کہ پزل کو پرفیکٹ ٹون میں کیسے بدلنا ہے۔

اس نے وقت دیکھا۔ اس کے پاس تین سے چار گھنٹے تھے۔ یہ وقت ایسے ہی تھا جیسے اس نے اسٹاپ واچ ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔ اگر اس نے وقت مقررہ پر کام مکمل نہیں کیا تو بم پھٹ جائے گا۔ اور کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ سب کچھ منتشر ہو جائے گا۔

گلاس وال سے آپریٹر انگوٹھا دکھا رہے تھے۔ اس نے ہیڈ فون کو کانوں پر چڑھایا۔ گہرا سانس لیا۔ اس کی پیشانی پر پسینہ تھا۔ وہ خوفزدہ تھی لیکن اسے اس خوف کو ظاہر نہیں کرنا تھا۔ اسے اس خوف کو کچلنا تھا۔ گلاس وال سے پھر سے اوکے کا اشارہ کیا گیا۔ اس گانے کو ایک ٹیک میں جانا تھا۔ جیسے لائیو۔ غلطی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اسے ہر حال میں ایک ہی ٹیک میں مکمل کرنا تھا۔

اس نے گانا گانا شروع کیا......

یہ گانا اسے زندگی دے دے گا، یا اس کی زندگی چھین لے گا۔ وہ بارود کے ڈھیر پر کھڑی ہو کر، دیپ راگ گا رہی تھی۔ آگ لگنے کے روشن امکانات تھے۔ اس کی تباہی کے اس سے زیادہ تھے۔

دس بجے سے کچھ پہلے اس نے گانے کے آخری بول مکمل کیے۔ اور جیسے ہی دھن ختم ہونے کو ہوئی، ہاتھ بڑھا کر بہرام نے اس کے کانوں سے ہیڈ فون اتار لیا۔

''بس اتنا ہی کافی ہے میراں! ہمیں دھن مل چکی ہے۔ تمہاری آواز تو ویسے بھی کلین کروا دیں گے۔''

میراں نے بری طرح سے چونک کر بہرام کو دیکھا۔ وہ گانے میں اتنی مشغول تھی کہ اسے آس پاس کی ہوش ہی نہیں رہی تھی۔ اس نے سامنے دیکھا تو آپریٹنگ والوں کے سر پر جنید کھڑا تھا۔ وہ کھڑے کھڑے آپریٹنگ سسٹم کو خود مانیٹر کر رہا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟؟'' وہ حیران ہوئی

''کیا مطلب ہو گا میراں؟ میرے اسٹوڈیو میں کھڑی ہو۔ میرے لیے کام کرتی ہو۔ تمہارے کام سے میرا کیا مطلب ہو گا؟''

Sumaira Hameed:Author

''تمہارے لیے میں دن میں کام کرتی ہوں......''

''تم دن کو کام کرو یا رات کو' سب کام ہمارا ہے۔میں ہمیشہ سے جانتا تھا کہ تم مجھے بہت بڑا فائدہ دینے والی ہو۔اس signature ٹون کے لیے میں نے پورا سال ویٹ کیا ہے۔''

''بکواس بند کرو۔یہ میری دھن ہے۔میرا گانا ہے۔اسٹوڈیو میں ریکارڈنگ کی فیس میں تمہیں دے دوں گی۔''

اس نے قہقہہ لگایا۔دو قدم بڑھا کر وہ اس کے بالکل قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔''بے وقوفوں جیسی باتیں نہ کرو میراں! میں نے پورے بارہ مہینے انتظار کیا ہے۔درمیان میں تم نے کچھ دھنیں اپنے لیے بنا کر سائیڈ پر کر دی تھیں' میں وہ بھی لے چکا ہوں۔تب ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تم اب البم کی ٹائٹل ٹون پر کام کرو گی۔تم نے کچھ دیر نہیں کر دی اس ٹون کو مکمل کرنے میں۔تم سچے فنکاروں کا یہی مسئلہ ہوتا ہے' جہاں ہم جیسے لوگ تین' چار دن میں پورا گانا تیار کر لیتے ہیں' وہاں تم نے تین مہینے لے لیے۔اینی وے! تم بھی اپنی جگہ پر ٹھیک ہو۔ڈائمنڈ کو ڈائمنڈ بننے میں وقت لگتا ہے۔جلد ہی تمہاری یہ دھن بہت بڑے پیمانے پر ریلیز کر دی جائے گی......منہ مانگی قیمت پر......تمہارا شکریہ۔''

''تم یہ سب نہیں کر سکتے بہرام!''اس کی آواز کپکپانے لگی

''میں سب کر سکتا ہوں......سب......تم دیکھ سکتی ہو......''اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسٹوڈیو کے ماحول کی طرف اشارہ کیا۔

میراں نے اس کے اشارے کی سمت نظر دوڑائی۔تین گارڈ اس کے پیچھے کھڑے تھے۔دو گارڈ اسٹوڈیو کے باہر ہوں گے۔ایک بہرام تھا' ایک جنید تھا۔کل ملا کر اس وقت اسٹوڈیو میں نو لوگ موجود تھے۔وہ یہاں وہاں' ہر طرف سے گھری ہوئی تھی۔اس کا چہرہ اتر گیا۔

''تم ڈری ہوئی نظر آ رہی ہو۔اچھی لگ رہی ہو۔اب بس ایک بات بتا دو میراں......''

میراں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ اس کے کان کے پاس جھکا۔''زبان دو گی یا سانس؟؟''اس کی پیشانی اس کی کان کی لو سے ٹکرا رہی تھی

وہ ایک قدم پیچھے ہٹی۔ہاتھ سے پیشانی کا پسینہ صاف کیا۔''ز......زبان......''

''زبان......''بہرام نے گردن کو پیچھے کمر کی طرف جھکا کر قہقہہ لگایا۔''دو زبان......میں سننا چاہتا ہوں۔''

''میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔نہ آج نہ کل۔میرا لیپ ٹاپ سامنے رکھا ہے۔جو کچھ ہے اس میں ہے۔سارا ڈیٹا' سب ٹونز۔بیگ میں موبائل ہے۔میں یہ ملک ہی چھوڑ دوں گی۔اسٹڈی کے لیے باہر چلی جاؤں گی۔تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔''اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

بہرام اس کی آنکھوں میں غور سے دیکھتا رہا۔''تم سمجھدار ہو......تم جا سکتی ہو۔''

بہرام کے قریب سے گزر کر وہ جانے لگی تو بہرام نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔''مجھے افسوس ہے کہ تم جیسی قابل لڑکی اب میوزک انڈسٹری کے لیے ڈیڈ ہو جائے گی......''

وہ چونک کر رکی لیکن پھر تیزی سے باہر کی سمت چلی گئی۔''ڈیڈ......''ریکارڈنگ روم سے نکل کر وہ زیر لب بڑبڑائی۔

☆ ☆ ☆

''ہاں ڈیڈ......'' وہ ہنسا تو اس کے نچلے ہونٹ کا کنارا' کان کی سمت کھنچ گیا۔

''وہ مجھے اپنی زبان دے گئی ہے۔ جبکہ مجھے اس کی سانس چاہییں......'' گردن موڑ کر اپنے گارڈ کی طرف دیکھا۔

''وہ اتنی آسانی سے اپنی زبان بند نہیں کرے گی۔ وہ میوزک کو نہیں چھوڑ سکتی۔ وہ میرے لیے کام بھی نہیں کرے گی۔ مجھے جو چاہیے تھا وہ مل چکا ہے۔ اس کی تین گولڈن اور ایک ڈائمنڈ دھن۔ پھر اس کا زندہ رہنا بے کار ہے۔ اس کی چھوٹی سی کار کو اگر کسی بڑی کار کی ٹکر لگے گی تو وہ الٹ کر گر جائے گی۔ کار الٹے گی تو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے انسان کی گردن کو جھٹکا لگے گا......اور وہ......''

گارڈ باہر کی طرف لپکا تو بہرام نے غصے سے اس کا راستہ روک لیا۔ ''اسٹوڈیو سے باہر روڈ پر سی ٹی وی کیمرے لگے ہیں۔ اسے یہ روڈ کراس کر جانے دینا......سمجھے......؟''

☆ ☆ ☆

اس کی کار نے مین روڈ کراس ہی کی تھی کہ پیچھے سے اسے تیز رفتار گاڑی آتی ہوئی نظر آئی۔ وہ سمجھ گئی۔ نچلا ہونٹ دانت میں دبا لیا۔ اس کی چھوٹی سی کار کی رفتار بہت تیز ہو چکی تھی۔ رات کے گیارہ بجے کا وقت تھا۔ سڑکیں سنسان تھیں۔ اس کی کار گولی کی طرح سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔

وہ جانتی تھی یہ ہو گا۔ وہ ایک ایک چیز جانتی تھی۔ یہ بھی کہ بہرام اس کی زبان لینے کے باوجود اس کی سانس لے گا۔ وہ اسٹوڈیو میں اس کے ساتھ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا اسٹوڈیو مین سٹی میں تھا۔ وہاں ہر طرف سی سی ٹی وی کیمرے لگے ہوئے تھے۔ وہ اس کے اسٹوڈیو سے باہر نکل جانے کا ویٹ ہی کرے گا۔ وہ انڈسٹری میں کمینہ مشہور تھا' وہ قاتل مشہور ہونا نہیں چاہے گا۔

ہیڈ فون کانوں سے لگا کر بہرام اس کا ریکارڈ کیا گانا سن رہا تھا۔ وہ اس کے فن کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اسے یہ بھی افسوس تھا کہ ایسا قابل انسان آج ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔

''اس کی کار نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے......اس نے کار ڈرائیو نہیں کی تھی' کار اڑائی تھی......''

بہرام کا گارڈ فون پر کہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لیے متغیر ہوا۔ ''کار میں وہ اکیلی تھی......؟''

'بالکل! اکیلی ہی تھی......''

وہ چونکا اور ایکدم سے چلا اٹھا۔ ''الو کے پٹھے وہ کار میں اکیلی نہیں تھی۔ کار شوٹر نے ڈرائیو کی ہے۔''

کار شوٹر ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ کالج میں وہ شوٹر کے نام سے اسی لیے مشہور تھا کہ وہ کار ہو یا بائیک' گولی کی طرح چلاتا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ گدھے پر بھی بیٹھ جائے گا تو اسے بھی جہاز بنا لے گا......

سیٹ کے نیچے فولڈ ہو کر بیٹھے بیٹھے میراں کی گردن اکڑ گئی تھی۔ ہڈ پہنے ڈرائیونگ سیٹ پر شوٹر بیٹھا تھا۔ کار کی رفتار ابھی بھی بہت تیز تھی لیکن وہ پیچھا کرنے والوں کو ڈچ کر چکا تھا۔ وہ اسٹوڈیو کے باہر شام چھ بجے سے اس کی کار میں چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ میراں نے ہی

Sumaira Hameed:Author

اسے آنے کے لیے کہا تھا۔جتنا وہ بہرام کو جان چکی تھی' وہ جانتی تھی کہ اس کا اگلا اسٹیپ کیا ہوگا۔جیسے ہی بہرام اسٹوڈیو کے اندر گیا تھا' شوٹر تیار ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ٹھیک پندرہ منٹ بعد میراں باہر آ گئی تھی۔وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی تھی لیکن فوراً نیچے ہو کر فرنٹ سیٹ کی طرف نکل ہو گئی تھی۔پیچھے سے شوٹر ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔جو ہڈ میراں نے پہنا ہوا تھا' بالکل ویسا ہی شوٹر نے بھی پہنا ہوا تھا۔مین روڈ تک کار کی رفتار نارمل رہی تھی.....لیکن پھر.....

اگر اس نے شوٹر کو مدد کے لیے بلایا تھا تو اس نے اپنی گانے کا بھی ضرور کوئی نہ کوئی انتظام کیا ہوگا۔''بہرام بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔

''وہ جو بھی کرے گی صبح ہی کرے گی۔یا زیادہ سے زیادہ یوٹیوب چینل پر اپ لوڈ کر دے گی۔''

''نہیں.....وہ یہ نہیں کرے گی۔وہ کچھ اور کرے گی۔ہمیں ہر صورت اسی وقت ٹون کو لاونچ کرنا ہے۔میراں سے پہلے ہمیں کچھ کرنا ہے.....آواز ریموکروں میراں کی۔مجھے صرف دھن دو.....''وہ چلا کر آپریٹرز سے کہہ رہا تھا۔

''تم تو اسے سیل کرنا چاہتے تھے۔سیل ہونے کے لیے کم سے کم دو دن چاہیے۔''

''وہ بھی کرلوں گا۔پہلے اس کے کاپی رائٹ کا مسلہ حل کرلوں۔نیو ایئر کا شو جو یونیورسٹی گراونڈ میں ہو رہا ہے۔ہمارے پاس اس کے کتنے ٹوکن ہیں؟''

''دو.....ایک گیارہ بجے کا.....دوسرا' ایک بجے کا.....''

جس کمپنی کے پاس نیو ایئر کا ٹوکن ہے ان سے بات کرو۔ہمیں یہ ٹوکن چاہیے۔میں وہاں جا رہا ہوں۔مجھے دھن بھجواؤں۔اس ٹوکن پر میں کھڑا ہوں گا۔''

''تم اس ٹوکن پر سنگر کی حیثیت سے کھڑے ہو گے؟؟''

''میں ساری دنیا کے گدھے گھوڑوں کو سنگر بنا سکتا ہوں تو خود نہیں بن سکتا۔جلدی کرو۔''ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے کار کے دروازے کو زوردار آواز میں بند کرتے ہوئے کہا۔

☆ ☆ ☆

یونیورسٹی گراونڈ میں ہونے والا نیو ایئر کنسرٹ سال کا سب سے بڑا کنسرٹ تھا۔اس کنسرٹ میں بڑی بڑی میوزک کمپنیاں اپنے نئے سنگرز کو متعارف کرواتی ہیں۔کچھ اپنی دھنیں' کچھ اپنے سنگرز۔اس اسٹیج پر گانے والوں کے لیے کمپنیاں ٹوکن بولی میں خریدتی ہیں۔سب سے بڑی بولی کا ٹوکن بارہ بج کر ایک منٹ کا تھا۔نئے سال کے' پہلے منٹ کا پہلا۔اس ٹوکن پر کھڑے ہونے والے سنگر یا میوزیشن کو signaute مانا جاتا تھا۔انٹرنیشنل یا بڑی کمپنیاں دنیا بھر میں ہونے والے خاص کنسرٹس میں ایسے ٹوکن خرید لیتی ہیں اور جن سنگرز کے ساتھ انہیں فیوچر میں کام کرنا ہوتا ہے' انہیں اس ٹوکن پر کھڑا کر کے متعارف کروا دیتی ہیں۔

''کس کے پاس ہے ٹوکن.....؟؟''کار کی رفتار کو بڑھاتے ہوئے وہ جنید سے فون پر بات کر رہا تھا۔

''ایک انٹرنیشنل کمپنی ہے' اس کے پاس۔ہم بھی ان کے ساتھ کام کر چکے ہیں۔لیکن وہ ٹوکن سیل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ان

Sumaira Hameed:Author

کا کہنا ہے کہ وہ اپنے سنگر کو کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔''

''تو بولی بڑھا دو یار!'' بہرام طیش سے چلایا۔

''وہ کسی صورت نہیں مان رہے۔'' جنید بھی چڑ گیا۔

''سب الو کے پٹھے ہو تم۔ ایک کام نہیں ہوتا تم سے۔ تو پھر کنسرٹ کی انتظامیہ کو خرید لو..... بات کروان سے.....''

گیارہ بج کر سینتیس منٹ ہو چکے تھے۔ جس وقت اس کی کار پارکنگ میں آ کر رکی اس وقت اسے پھر سے جنید کی کال آئی۔

''انتظامیہ ٹس سے مس نہیں ہو رہی۔ ان کا کہنا ہے کہ ٹوکن نیلامی میں دیے جاتے ہیں۔ وہ ساکھ خراب نہیں کر سکتے۔''

''ان کی ساکھ خراب ہو یا بزنس۔ ان سے کہو بارہ' ایک کا ٹوکن ہمارا ہی ہے' اور میں جا رہا ہوں اس پر کھڑا ہونے۔ کوئی روک سکتا ہے تو روک لے۔''

جس وقت وہ بھاگتا ہوا پارکنگ سے نکل رہا تھا۔ اس وقت میراں پارکنگ پار کر کے اندر جا چکی تھی۔ جس وقت وہ بیک اسٹیج کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس وقت وہ میک اپ روم میں پہنچ چکی تھی۔ ہڈ اتار دیا تھا۔ کرسی پر کسی کی جینز کی جیکٹ پڑی ہوئی تھی' اسے اٹھا کر وہ پہن رہی تھی۔ جس ٹشو سے کسی نے اپنی لپ اسٹک صاف کی تھی' اس سے وہ اپنی پیشانی کا پسینہ صاف کر رہی تھی.....

اور جس وقت بہرام بیک اسٹیج سے بھاگتا ہوا اسٹیج کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا..... اس وقت میراں وہ سیڑھیاں چڑھ چکی تھی.....

وہ اسٹیج کے کنارے پر کھڑا تھا..... اور وہ مائیک کے سامنے.....

وہ اندھیرے میں کھڑا تھا اور وہ..... وہ.....

اسپاٹ لائٹ گھومتی ہوئی آئی اور مائیک کے سامنے کھڑی میراں پر آ کر رک گئی۔ اس کا چہرہ کراؤڈ کو دکھائی دیا تو انہوں نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ وہ حلق پھاڑ کر 'میراں' 'میراں' چلانے لگے.....

وہ بہت زیادہ پاپولر نہیں تھی لیکن ایسی گمنام بھی نہیں تھی۔ سب اسے جانتے ہی تھے۔ وہ تو یہ بھی جان گئے تھے کہ وہ اتنے بڑے اسٹیج پر آ کر کھڑی ہو گئی تو کوئی عام چیز نہیں لائی ہو گی۔ کچھ خاص ہی ہو گا اس کے پاس۔ بھولی بسری سی میراں..... وہ اب سب کو اچھی طرح سے یاد ہو جائے گی..... نئے سال کے نئے لمحے کا ٹوکن کمپنی نے میراں کے لیے محفوظ کر لیا تھا..... میراں اور مہراں کے لیے.....

☆ ☆ ☆

کبھی کبھی قابل ہونے کے ساتھ ساتھ چالاک بھی ہونا پڑتا ہے۔ ہر طرح سے حالات کا جائزہ لینے کے بعد وہ جان چکی تھی کہ بہرام کے اسٹوڈیو کو استعمال کیے بغیر وہ اچھی دھن نہیں بنا سکتی۔ ایسی دھن جو شارپ بھی ہو اور ہٹ بھی۔

اسے مگرمچھوں کے ساتھ کام کرنا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اسے اسٹوڈیو میں لگے کیمروں کے ذریعے مانیٹر کیا جا رہا ہے۔ اسٹوڈیو کا اسٹاف اس پر نظر رکھتا ہے۔ چارے کے طور پر رات کے کام کی تین گولڈن دھنیں اس نے بہرام کو ہڑاپ کرنے دی تھیں۔ اس نے یہ ظاہر ہی نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ جان چکی ہے کہ بہرام اس کی دھنوں پر قبضہ کر چکا ہے۔ بہرام کو وہ تین دھنیں مل گئیں تو اسے گمان بھی نہیں ہوا کہ

Sumaira Hameed:Author

وہ جان بوجھ کر اسے پاگل بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ اسے بے وقوف سمجھتا رہا تھا۔ دو آپریٹر لڑکوں کو اس نے اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔

مہراں پر کام کرتے ہوئے اس نے اس کی جڑواں دھنیں بنائی ہی اس لیے تھیں کہ بہرام کنفیوز ہو جائے اور وقت سے پہلے اسے اسٹوڈیو سے کک آوٹ نہ کر دے۔ اسے نیو ایئر نائٹ کا ویٹ تھا.....

اس کی دھن لائیو اس کمپنی کے اسٹوڈیو میں ریکارڈ ہوتی رہی تھی جس کے ٹوکن پر وہ کھڑی تھی۔ کمپنی کو اس کا بیسٹ کام چاہیے تھا۔ پھر ہی وہ طے کرنے والی تھی کہ وہ اسے کس ٹوکن پر کھڑا کرتی ہے۔ اس کے ساتھ کانٹریکٹ کرتی بھی ہے یا نہیں۔ جس وقت وہ اسٹوڈیو سے نکل کر کار کی پچھلی نشست کے نیچے دبک کر بیٹھی تھی۔ کمپنی کی طرف سے اسے اس کا ٹوکن نمبر ایس ایم ایس کر دیا گیا تھا۔ اپنا اصل فون وہ کار میں ہی چھپا کر گئی تھی۔

اپنی زندگی کا بیسٹ کام وہ وقت سے پہلے ریکارڈ کروا دیتی تو جان سے جاتی۔ جان سے نہ جاتی تو بہرام کسی بھی طرح سے اس کے کام کو اپنے نام سے لاونچ کر دیتا ورنہ سیل کر دیتا۔ وہ چیختی اور چلاتی ہی رہ جاتی۔ اسے اس نیو ایئر نائٹ کا ہی ویٹ تھا۔ اتنے بڑے کراؤڈ اور لائیو ٹی براڈ کاسٹنگ کا۔

اب وہ یونیورسٹی گراونڈ کے ہجوم کے سامنے کھڑی تھی۔ رات کا آسمان' دن کے اجالے سے زیادہ روشن تھا۔ بارہ بجنے میں تین منٹ تھے۔ گردن موڑ کر اس نے پیچھے بہرام کو دیکھا۔ اور ہنس دی۔ اب وہ ہمیشہ ہنسے گی اور وہ اپنی شکست کو یاد کر کے ہمیشہ روئے گا۔

مائیک پر ہاتھ رکھ کر اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''میں ہوں میراں..... و مہراں.....''

شور نے زمین کو ہلا ڈالا.....

''آپ دس سے الٹا گننا شروع کریں میں ذرا پانی پی لوں۔''

کہہ کر اس نے جھک کر پانی کی بوتل اٹھائی۔ گردن اٹھا کر پانی کی بوتل منہ سے لگائی۔ لوگوں کو اس کی یہ ادا بھی بہت پسند آئی۔ الٹی گنتی شروع ہو گئی۔ ''دو'' پر اس نے مائیک پر ہاتھ رکھ لیا۔ ''ایک'' کے بعد اپنے حلق کو مہر کے سروں کے ساتھ جوڑ کر..... راگ مہراں سے نکلی دھن میں اتار کر..... گانے کے بول مائیک پر پوری جان لگا کر چھوڑ دیئے.....

بے خودی اور ترنگ لیے..... آزادی اور متوالے پن سے.....

بات نئی بات تھی..... رات ''مہر میراں'' رات تھی.....

☆ ☆ ☆

The End

Sumaira Hameed:Author